جمادی الاُخریٰ۔شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
اپریل۔جون ۲۰۱۳ء

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

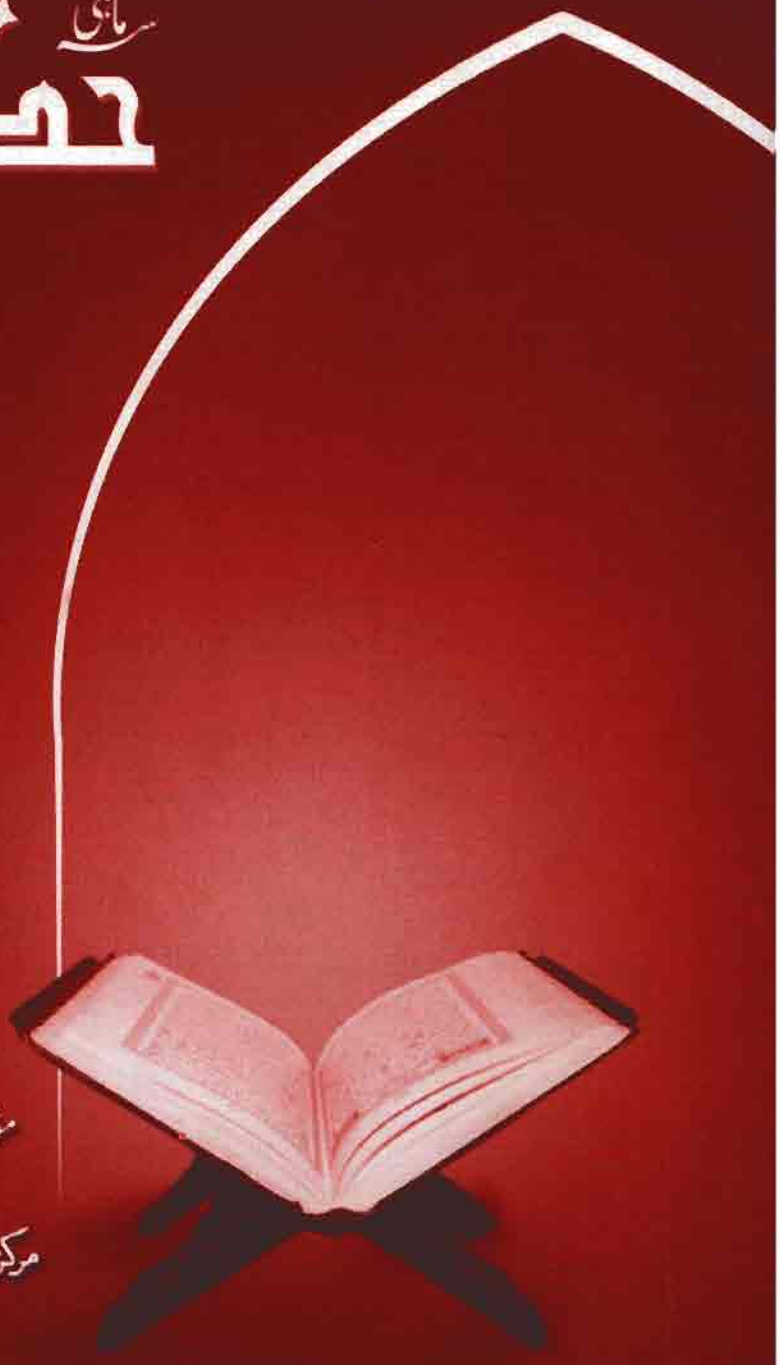

مؤسس: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قرآن حکیم کی عظمت، تعارف اور حقوق و مطالبات
جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

خود پڑھیے۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 400 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 250 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-35869501-042
maktaba@tanzeem.org

اس شمارے میں

حرفِ اوّل

اسلام اور سیاسی ہیئتِ حاکمہ	ڈاکٹر ابصار احمد	3

مضامینِ قرآن

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	10

فہمُ القرآن

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح	افادات حافظ احمد یارؒ	20

حکمتِ نبویؐ

قیامت کے دن کے پانچ اہم سوالات	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	30

قرآنیات

علوم القرآن: مطالعۂ قرآن کا ضابطہ، توسیعی وتجدیدی ضرورت	ڈاکٹر پروفیسر محمد عارف خان	33

فکر و نظر

قرآن اور مستشرقین	ڈاکٹر حافظ محمد زبیر	65

کتاب نما

تعارف وتبصرہ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	82

بیانُ القرآن

MESSAGE OF THE QURAN	Dr. Israr Ahmad	96

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور سیاسی ہیئتِ حاکمہ

علامہ اقبالؒ نے فکرِ جدید اور اس کے ہمہ گیر استیلاء کے لیے کئی پیرائے استعمال کیے ہیں‘ جن سے اہلِ علم بخوبی واقف ہیں۔ مثلاً بعض اشعار میں انہوں نے عہدِ نو کو ’’برق‘‘، ’’نئی آگ‘‘، ’’مئے مغرب‘‘ جیسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ ایک شعر میں جدید تہذیب وتمدن کی علمی منہاج کو ’’ظاہر پرست‘‘ اور دانش مغرب کو ’’عذاب‘‘ قرار دیا ہے۔ مغربی فکر وتہذیب پر ان کا عمومی نقد وتبصرہ ’’دل کی خرابی‘‘ اور ’’خرد کی معموری‘‘ کے الفاظ میں بہت بھرپور اور پُرمغز انداز میں قارئین کے سامنے آتا ہے۔ عہدِ نو کی فکری حشر سامانیاں تمام روایتی اور غیر سائنسی افکار واقدار کو بھسم کرنے کے درپے ہیں اور اس کی لپیٹ میں بالخصوص اسلامی تہذیب وتمدن کے اصول اور حیاتِ انسانی کے لیے دیے گئے قواعد وضوابط آتے ہیں۔ عصرِ حاضر کی مادہ پرستانہ سوچ کو علامہ اقبال نے فارسی کے اس سادہ شعر میں خوب سمویا ہے ؎

عصرِ ما وارفتۂ آب و گِل است
اہلِ حق را مشکل اندر مشکل است

آج بھی مغربی فکریات کا اگر بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو علامہ اقبال کی کم وبیش ایک صدی قبل کی گئی نقد‘ یورپ اور امریکہ کی دانش گاہوں سے آنے والی کتب اور فلسفیانہ افکار پر سو فیصد پوری اترتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اب نسبتاً زیادہ پُرشکوہ لفاظی اور نئی نئی اصطلاحات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مذہب اور مذہبی معتقدات کا واضح اور صاف الفاظ میں انکار تو نہیں ملتا‘ لیکن ان کی ایسی تعبیرات اور تشریحات کی جاتی ہیں جن سے دین ومذہب کی اصل روح اور تاریخیت دم توڑتی نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام دوسرے مذاہبِ عالم بڑی حد تک سیکولرائزیشن کے آگے surrender کر چکے ہیں‘ لیکن مغربی دانشور حیرانی اور سراسیمگی کے عالم میں شکوہ کناں ہیں کہ آخرت (روحانی) اور دنیوی پہلوؤں کے درمیان ایک گہرا نامیاتی رشتہ رکھنے والا دین —— اسلام —— سیکولرائزیشن اور لبرل ازم کے آگے قطعاً جھکنے کے لیے تیار نہیں ہے‘ اور اس طرح کی تمام کاوشوں کو resist کرتا ہے۔ انہیں یہ شکایت ہے کہ مسلمان کیوں ایک عالمی سیاسی اور معاشی نظام (world order) کا حصہ بننے کے لیے تیار نہیں!

فی الحقیقت اسلام کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بالکل آغاز سے اپنی تعریف اور شناخت میں قطعیت کے ساتھ کلام اللہ یعنی قرآن کی نازل شدہ آیات میں واضح کر دیا گیا تھا۔ دوسرے مذاہب بالخصوص عیسائیت کے برخلاف اس کے بنیادی عقائد اور تہذیبی افتاد ومنہج کی تشکیل دو اڑھائی صدیوں کے بعد نہیں ہوئی۔ چنانچہ روزِ اوّل سے

مشرکینِ مکّہ جان گئے تھے کہ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کی دعوت اور کلمۂ شہادت ان کے باطل نظامِ سیادت و سماج پر تیشہ چلانے والا ہے اور ایک خدائے واحد کی حکمرانی کے قیام اور اس کے احکام کی تنفیذ کا نقیب ہے۔ کلمۂ شہادت پہلے معبودانِ باطل کی کامل نفی اور پھر خدائے واحد کا اثبات کرتا ہے۔ مشرکینِ مکہ کا پورا نظام ان جھوٹے خداؤں کے بتوں کی وجہ سے تھا جن کے لیے جملہ قبائل کی عقیدت اور نذر و نیاز اور چڑھاووں کے ذریعے مکہ کے مراعات یافتہ لوگ امن وسکون اور پُرتعیش زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے تجارتی قافلوں سے بھی کوئی تعرض نہ کرتا تھا۔ چنانچہ دینِ متین کے سیاسی مضمرات کوئی زائد یا ثانوی مظاہر نہیں بلکہ قرآن کی شکل میں نازل شدہ الٰہیاتی فکری بنیادوں سے فطری وطبعی طور پر پھوٹتے ہیں' اور اس میں کسی تبدیلی کا ہرگز کوئی امکان نہیں ہے۔ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ نے ۲۳ سالہ جدّوجُہد کے نتیجے میں بنفسِ نفیس اسلام کو پوری جامعیت اور روحانی وسیکولر (دنیاوی) پہلوؤں کی توحید کے ساتھ عملاً قائم کیا۔ بالفاظِ دیگر اسلام تاریخِ عالم میں مابعد الطبیعیاتی دینی عقائد یعنی ایمانیات اور سیاسی غلبہ وقوت کی وحدت کے طور پر سامنے آیا ہے۔

مغربی دانشور اور مصنفین اسلام میں دین ودنیا کی اس نامیاتی وحدت کے برخلاف اسلام کے دو چہروں کی بات کرتے ہیں۔ ایک چہرہ انفرادی' قلبی' ذوقی' تعلق مع اللہ یا دوسرے الفاظ میں احسان یا تصوف والا چہرہ ہے جو ان کے لیے قابلِ قبول ہے۔ دوسرا چہرہ ان کے بقول سیاسی آئیڈیالوجی کی شکل میں ہے جس کا تعلق اجتماعی و سیاسی نظمِ ہیئت یعنی خلافت اور نظامِ عدل وقسط سے ہے۔ مستشرقین اسلام کے مؤخر الذکر چہرے یا پہلو کو ایک خون آشام پبلک آئیڈیالوجی کے طور پر دیکھتے ہیں جسے وہ اول الذکر (ذاتی وایمانی کیفیت کا اسلام) سے بالکل مختلف بلکہ اس کا نقیض گردانتے ہیں۔ میں یہاں اس کی چند مثالیں پیش کروں گا۔

(۱) پروفیسر منٹگمری واٹ کی سیرتِ رسول ﷺ پر دو الگ الگ جلدیں "Muhammad at Makkah" اور "Muhmamad at Madina" اس بات کا اعلان ہیں کہ مکہ میں محمد ﷺ کی حیثیت واقعی ایک نبی اور اخلاقی وسوشل ریفارمر کی ہے جبکہ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد وہ فوراً جنگجو سپہ سالار اور حکومت واقتدار کے حصول میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ اس طرح منٹگمری واٹ کی نظر سے آنحضور ﷺ کے انقلاب اور دینِ اسلام کی سربلندی کی کاوشوں کے کے تدریجی مراحل اوجھل رہتے ہیں۔

(۲) امریکی نقاد پال برمین پولیٹکل اسلام کے علمبرداروں کے لیے ہر قسم کے گھٹیا اور نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہوئے انہیں بیسویں صدی کے بیمار ذہن یورپی فاشسٹ لوگوں کی طرح ایک گروہ قرار دیتا ہے اور اپنے اس خیال کا برملا اظہار کرتا ہے کہ یورپ اور امریکہ کو ان حضرات سے آخری خاتمے تک جنگ جاری رکھنی ہے۔ (بحوالہ تصنیف Terror & Liberalism' شائع شدہ ۲۰۰۳ء)

(۳) اسلام اور قرآن کا سات دہائیوں پر مشتمل طویل اور انتہائی گہرا مطالعہ کرنے والا کینتھ کریگ بھی اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہا ہے کہ اسلام آغازِ وحی سے اپنی theopolitical تعلیمات کی شکل میں انسانوں کے کردار اور افعال کو پوری جامعیت (نفسیاتی' قانونی' کلچرل' سیاسی) کے ساتھ متاثر کرنے اور نظامِ شریعت کے تحت تنظیم کا دعوے دار ہے۔ اس کے برعکس یہودی اور عیسائی مذہبی روایات بالعموم غیر سیاسی

(apolitical) ہیں' جنہوں نے خدا کے اختیارِ مطلق اور توحید کے ضمن میں بھی کجی اختیار کی ہے۔

میں یہاں کریگ کی بیسویں صدی کی آخری دہائی میں شائع ہونے والی دو کتابوں کا خاص طور پر حوالہ دوں گا' جو یہ ہیں:

(i) Muhammad and the Christian: A Question of Response
(ii) Jesus and the Muslim : An Exploration

ان دو کتابوں کے حوالے سے کریگ کی جو تنقید اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ پر کی گئی ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہب کے ایک بانی اور اخلاقی ریفارمر نے اپنے ہاتھ (نعوذ باللہ) سیاسی معاملات اور غلاظت میں پڑ کر میلے اور آلودہ کر لیے۔ کریگ طویل عرصے عرق ریزی کے ساتھ قرآن اور اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکا کہ اللہ اکبر کے کلمے اور نعرے کا مطلب ہی اپنی خواہشات' آراء اور ہر قسم کی عصبیتوں کی نفی کر کے اللہ کی کبریائی اور حاکمیت کو تسلیم کرنا ہے۔ اس طرح رسول اکرم ﷺ کا اقدام اور مسلح جِدّوجُہد کو ترک کر دینا حاکمیتِ خداوندی کے قیام سے دست کش ہونے کے مترادف ہوتا۔ اگر رسولِ ناصریؑ نے سیاسی غلبہ و اقتدار کا آپشن بوجوہ استعمال نہیں کیا یا اس کا امکان اور مواقع پیدا نہیں ہوئے تو یہ ضروری نہیں کہ بعد میں آنے والے رسول بھی اسی اسٹریٹیجی پر عمل کریں۔ جبکہ خاتم الانبیاء کی حیثیت سے دینِ متین کا عملاً قیام اور حاکمیت خداوندی کے تحت اسلامی خلافت کے نظامِ عدل وقسط کا قیام آپ ﷺ کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا۔ دوسری جانب یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی بھی دین جس کی بنیادیں انتہائی اخلاقی اور روحانی ہوں' گوارا نہیں کرتا کہ اس کی فتح صرف روحانی و اخلاقی نوعیت کی ہو اور سیاسی اعتبار سے وہ قطعاً خالی ہو۔ یہی بنیادی فرق ہے جو اسلامی انقلاب کو تاریخ کے تمام دوسرے انقلابات مثلاً روس کے بالشویک انقلاب' انقلابِ فرانس وغیرہ سے ممیّز کرتا ہے۔ عیسائیت اور بدھ مت کو نسٹنٹائن اور اشوکا جیسے شہنشاہوں کی سرپرستی کی وجہ سے تبلیغی اور عالمگیر مذاہب بنے' جبکہ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے خود بنفسِ نفیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر عرب میں اسلام کو نافذ و غالب کیا اور اسلامی حکومت کی توسیع کا عمل اپنی حیاتِ طیبہ میں شروع کر دیا۔

کوئی بھی حق کا علم اٹھانے والا دین (سوائے رہبانیت یا تیاگ کا فلسفہ ماننے والوں کے) سیاسی لازماً ہو جاتا ہے۔ اس کی چار سطحیں ہیں' پہلی دو میں کوئی بھی مذہب ہلکے انداز میں سیاسی جبکہ آخری دو سطحوں پر وہ گاڑھے انداز میں سیاسی ہو جاتا ہے' اور یہی اسلام کے ساتھ مختص ہیں' اگرچہ پہلی دو سطحوں سے بھی اسلام کا تعلق ہے۔

(۱) اسے وقت کے سیاسی نظام اور اہلِ اقتدار سے کچھ نہ کچھ معاملہ کرنا پڑتا ہے

(۲) مذہبی افراد کی کثیر تعداد اخلاقی بنیادوں پر غیر عادلانہ اور غیر منصفانہ و معاشی نظام کو چیلنج کرتی ہے۔ پُرامن احتجاج اس کے لیے مناسب اور جائز راستہ ہو سکتا ہے۔ اسلام اس سلسلے میں بقدرِ ضرورت عسکریت (militancy) اور انقلابی طریقے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی فقہی رائے کے مطابق ظالم حکمران کے خلاف ''خروج'' (کامیابی کی توقع کی شرط کے ساتھ) کی بھی اجازت ہے۔ اس Activism میں کرسچن لبریشن تھیالوجی کی طرح ہم اسلام کی لبریشن تھیالوجی کو نمایاں کر سکتے ہیں جس

میں لوگوں کو جابر اور سفاک حکمرانوں کے ظلم سے آزاد کرایا جاتا ہے۔ ظالم حکومت کے خلاف خروج کو حرابہ کے مشابہ قرار دینا سخت ناانصافی ہے۔

(۳) اسلام کی رو سے سیاست دین کا جزو ہے اور دین کی تعلیمات اُس کا بھی احاطہ کرتی ہیں۔ فقہاء نے اسلامی حکومت و سیاست کی کلاسیکل تھیالوجی اور اس کے اصول وضوابط وضع کیے ہیں۔ اجتماعی نظم سے آگے اس سیاسی تگ وتاز کا ہدف خلافت کے اصول پر استوار ریاست اور حکومت کا نظام قائم کرنا ہے۔ انفرادی نیکی اور اصلاح کو بھی قوانین کے ذریعے پبلک سطح پر بالجبر نافذ کیا جاتا ہے۔ شریعت کے قوانین کے ذریعے ریاست اپنا اثر ونفوذ انفرادی زندگیوں تک پھلاتی ہے۔

(۴) اسلام کا آغاز بحیثیت امپیریل پاور مثالی ہے۔ کوئی اور مذہب شعوری طور پر ایمان اور سیاسی اقتدار کے اشتراک کی شکل میں شروع نہیں کیا گیا۔ اگرچہ اہلِ اسلام نے لوگوں کو تلوار کے زور پر حلقہ بگوشِ اسلام نہیں کیا، تاہم اخلاقی وعسکری فتوحات کے ذریعے نظام کو توحید اور اسلامی تعلیمات کے مطابق بنا کر عوام الناس کے لیے اسلام کی حقانیت کو پہچاننا آسان بنا دیا۔ یعنی اس کے مواقع فراہم کیے گئے۔ اسلامی فتوحات اور اس کی آفاقی مذہبی اپیل باہم مربوط ہیں۔ اور صوفیاء نے اس زمینی پھیلاؤ اور اثر ورسوخ میں پُر امن طریقے پر دعوت وتزکیہ کے ذریعے اہم رول ادا کیا۔ اسلامی حکومت کا مقصد دنیا میں اللہ کی حکمرانی یعنی اس کی شریعت کی حکمرانی کا نظام قائم کر کے پورے نظامِ حیات پر اظہارِ دینِ حق یعنی نظامِ عدل وقسط کا قیام ہے۔

بلاشبہ ہماری تاریخ میں سیاسی اقتدار کے تحت کیے گئے مظالم اور ناانصافی کے واقعات ملتے ہیں، تاہم کینتھ کریگ نے اپنی تنقید میں اقتدار اور سیاسی غلبے کے حوالے سے بہت ہی غیر علمی اور عامیانہ رویے کا اظہار کیا ہے۔ جبکہ قرآن نے کئی جگہوں پر 'نصر' یعنی اللہ کی طرف سے دی گئی فتح اور بالادستی کو sanctify کرنے کا حکم دیا ہے۔ سورۃ النصر کا مضمون اسی حکم کو اجاگر کرتا ہے جس میں اللہ کی نصرت اور فتح اور لوگوں کے جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہونے پر فتح کے شادیانوں کی بجائے اللہ کے حمد وشکر کی تسبیح اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ تاریخ کے دوسرے شہنشاہوں اور اہل اقتدار کی ہوسِ ملک گیری کے مقابلے میں اسلام میں حکومت واقتدار، اللہ کی خوشنودی، اس کی حاکمیت کے قیام اور بندوں کے لیے اطاعت کے نظام (نظامِ بندگی) کو ممکن اور سہل بنانا ہے۔ چنانچہ مسلمان حکمرانوں اور ملکی وملی امور کے ذمہ داران کو قرآن حکیم اور احادیثِ رسولؐ میں متعدد ہدایات دی گئی ہیں۔ دین اور دنیا کی وحدت کی تحسین کی بجائے کریگ کو آنحضورﷺ کی ہجرت کے بعد مدینہ میں گزاری ہوئی دہائی میں (معاذ اللہ) رومی جرنیل سیزر کا کردار نظر آتا ہے، جس نے وحی کی وہ روحانیت جو مکہ میں نظر آتی تھی کا ابطال کر دیا۔ وہ بالکل غلط طور پر روحانیت اور سیاسی غلبہ واقتدار کی ثنویت اور مغائرت کا قائل ہے اور سمجھتا ہے کہ باطل کے خلاف مسلح تصادم سے پیغمبرانہ مشن کی اخلاقی وروحانی روح ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ آنحضورﷺ محض اخلاقی واعظ اور سوشل ریفارمر ہی نہیں تھے بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے دین حق اور میزان (نظام عدل وقسط) کو تمام دوسرے نظام ہائے زندگی پر غالب کرنے کا منصب سونپا تھا۔ اور آپؐ نے بالفعل ہر قسم کے تشدد اور مخالفت کو انگیز کرتے ہوئے اور اپنے عزیز ترین اعزّہ اور ساتھیوں کی جان ومال کی قربانی

کے بعد اس منزل کو پایا۔

بعض تجزیہ نگاروں اور اہلِ دانش کا خیال ہے کہ نوآبادیاتی نظام کے خاتمے اور مسلمان ممالک کی آزادی کے بعد اسلام اور سیاسی اقتدار و ریاست کی یکجائی پر مشتمل نظریہ پہلی بار سامنے آیا۔ جبکہ تاریخ کی ناقابل تردید حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اہلِ علم کی اکثریت اور قرآن وسنت کی تعلیمات سے گہرا شغف اور تبحر علمی سے متصف ملّتِ اسلامیہ کے سرکردہ مشاہیر نے ہمیشہ یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اسلام اور ریاست باہم لازم وملزوم ہیں' اور ان دونوں میں علیحدگی ملّتِ اسلامیہ کے زوال اور پچھلی دو اڑھائی صدیوں کے دوران مسلمان ممالک کے یورپی نوآبادیاتی نظام میں جکڑے جانے کا نتیجہ ہے۔ نوآبادیاتی تسلط کے تحت مرعوبیت اور یورپی تہذیب وتمدن سے متاثر ہو کر چند وہ دانشور جنہوں نے مغربی ممالک میں تعلیم حاصل کی تھی' اس موقف کے پیش کنندہ بنے کہ اسلام کا کوئی تعلق ریاست اور سیاسی اقتدار سے نہیں ہے۔ اس طرح ان حضرات کا تصورِ دین اسلام کو صرف مذہب کی سطح تک محدود کر دیتا ہے اور اجتماعیت کے جملہ پہلو ان کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ ایسے دانشور اپنے فکر کو عجیب وغریب استدلال سے مزیّن کرتے ہیں اور زخرف القول کے ذریعے عوام الناس کو دھوکا دیتے ہیں۔ مثلاً ان کے خیال میں قرآن کی ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس کے مخاطب بادشاہ یا حکمران ہوں۔ قرآن کے مخاطب تو حضرت محمد ﷺ اور بالعموم عام لوگ اور بالخصوص اہلِ ایمان ہیں۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یہ حضرات آیتِ قرآنیہ ''اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ'' کی کیا تعبیر کریں گے جس میں حکومت و پادشاہی کا حق دار صرف صرف اللہ تعالیٰ کو قرار دیا گیا ہے! اسی طرح مسلمانوں کے 'تمکن فی الارض' یعنی زمین میں غلبے اور اقتدار کے بعد ان کا کیا رویہ ہونا چاہیے' کی صراحت ہے۔ مزید برآں ''اولوالامر'' کی اصطلاح تو متعدد جگہوں پر آئی ہے' جس کا واضح اشارہ ملّت اسلامیہ کے اجتماعی وسیاسی امور کے ذمہ دار سربراہان کی طرف ہے۔ ماضی کے بہت سے مسلمان مفکّرین نے سیاسی اسلام کے موضوع پر بڑی معرکۃ الآرا تصانیف شائع کی ہیں' مثلاً الماوردی کی **الأحكام السلطانيه** اور دوسری متعدد نگارشات۔ لہٰذا یہ کہنا کہ سیاسی اسلام جدید دور کی پیداوار ہے' کسی طور پر بھی صحیح نہیں ہے۔

دِقّتِ نظر اور زیادہ گہرائی سے تنقیدی تجزیہ کیا جائے تو فکرِ جدید کے گرویدہ ان فضلاء میں برصغیر پاک وہند میں دوسروں کے علاوہ سرفہرست مولانا وحید الدین خان اور جناب جاوید احمد غامدی ہیں۔ ان کے تصورِ دین کو گورنمنٹ اور اسٹیٹ کی ناگزیریت کے بغیر ''اخلاقی مذہب'' (Islam as private ethical faith) قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ حضرات اپنی نگارشات میں اسلام کو صرف ایک پُرامن ایمانی واخلاقی دعوت تک محدود رکھتے ہیں اور ہیئتِ اجتماعیہ کی سطح پر اسلام کی حیثیت بطور سیاسی نظمِ حکومت اور اسٹیٹ قائل نہیں ہیں۔ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ان سکالرز کے برخلاف علامہ اقبال جیسے نابغہ جن کا فکر وتہذیبِ مغرب کا مشاہدہ اور اس پر عملی گرفت بہت عمیق اور وسیع تھی' نے اسلام اور حکومت وسیاسی قوت کے اجتماع اور حاکمیتِ خداوندی کے مضمرات کو نثر اور شعر دونوں میں نہایت وضاحت اور زوردار انداز میں بیان کیا ہے۔ ماضی قریب میں مرحوم ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے بھی اپنے علمی مضامین میں ایک بااصول منظّم اجتماعیت کے قیام کو ایمان واسلام کے لازمی تقاضے کی حیثیت سے

بیان کیا ہے۔ اگرچہ ان کی بعض فلسفیانہ اور فقہی آراء سے اختلاف کیا جا سکتا ہے' لیکن مندرجہ ذیل الفاظ اجتماعیت اور ریاست کے حوالے سے ان کے خیالات اسلام کی قرنِ اوّل کی قرآن وسنت پر مبنی تفہیم کی ترجمانی کرتے ہیں:

"...... personal inner faith is by no means enough for God's purposes, and an organized normative community is a dire necessity." (1)

راقم نے اپنی ایک تحریر میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے اس فکر کو کینٹ ویل سمتھ کے اسی سیاق میں استعمال کردہ ایک نسبتاً تکنیکی وعملی لفظ 'reification' کی تائید وتصویب کے طور پر بیان کیا ہے۔ یعنی ایک جانب ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور دوسری طرف غیر مسلم محقق کینٹ ویل سمتھ اسلام کے اجتماعی نظم اور سیاسی رول کے بارے میں ایک ہی مثبت رائے رکھتے ہیں:

"He (Dr. Fazlur Rehman) thus fully affirms 'reification' (W.Cantwell Smith's expression) of Iman in a spatio-temporal context and impugnes all modernists' attempt to empty Islam of its political content." (2)

ہمارے ہاں حکومتی سرپرستی اور مغربی اثر ونفوذ کے زیر اثر پروان چڑھنے والا تصوف اور ہمہ اوستی افکار بھی اسلام کو صرف ایک روحانی واخلاقی تعلیم اور انسان دوست مذہب کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اسی سے ملتی جلتی صورت حال ''روایت'' کے علمبرداروں کی ہے جو صرف فرد کی ذاتی اصلاح اور روحانی بالیدگی پر اپنا فکر مرکوز رکھتے ہیں اور اس طرح وہ مابعد جدیدیت کی مذہب کی وہ تعریف قبول کر لیتے ہیں جس میں مذہب کو فرد کے باطنی اطمینان اور آسودگی تک محدود کر کے کسی اجتماعی نظم اور ہیئتِ سیاسی سے قطعاً اعتناء نہیں کیا جاتا۔ اس طرح عالمی سیاسی وتہذیبی سطح پر یہ لوگ اسلام کو ایک بالکل غیر مؤثر اور انتہائی محدود تناظر کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

قارئین کے علم میں ہے کہ زیر نظر جریدہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام شائع ہو رہا ہے جس کا چالیسواں سالانہ اجلاس دسمبر ۲۰۱۲ء کے آخری ہفتے میں منعقد ہوا — یعنی مرکزی انجمن کے مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب رحمہ اللہ نے اس کا آغاز ۱۹۷۲ء میں کیا تھا اور یوں بحمد اللہ مرکزی انجمن اپنے مقاصد اور قرآن کریم کی ہدایت اور افکار کی اشاعت کا اہتمام حتی المقدور کر رہی ہے۔ صدر مؤسس کو ہم سے دار الخلد کی طرف مراجعت کیے امسال ۱۴/ اپریل کو تین سال ہو رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے (آمین!)

سطورِ بالا میں پیش کردہ خیالات کہ کس طرح اسلام اپنی جامعیت کے ساتھ نفاذ اور تہذیبی وسیاسی غلبے کا تقاضا کرتا ہے اور غلبہ ریاست کی سطح پر کیونکر منشائے دین ہے' مؤسسِ انجمن نے اپنے متعدد خطابات اور

---

(1) The Journal of Religions Ethics, University of Chicago Prss (USA) 1982.

(2) General Prologue, Knowledge- Morality News, Concept Media Books, Lahore 1995 p--26-7

کتابوں میں شرح وبسط اور مدلل انداز میں پیش کیے ہیں۔ چنانچہ راقم کہہ سکتا ہے کہ یہ زیادہ تر انہی کے افکار کی ترجمانی ہے۔ اس ضمن میں ان کے کئی کتابچے مثلاً ''اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید وتعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں''، ''فرائضِ دینی کا جامع تصور'' اور مبسوط کتاب ''منہج انقلاب نبویؐ'' کا مطالعہ بالخصوص مفید رہے گا۔ برادرِ مکرم ؒ نے فطری طور پر جہاں عملاً اپنے فکر اسلامی کو برِعظیم پاک وہند کے تناظر میں رکھ کر پیش کیا' وہیں اس کی اساسات بلاشبہ قرآن کریم کی واضح نصوص اور سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور امت کے صاحبِ بصیرت علماء اور مفکّرین سے ماخوذ راہنمائی پر رکھی ہیں۔ انہوں نے اسلام کے حرکی تصور کے سامراجی دور میں اضمحلال اور دوبارہ احیاء کی پوری تاریخ اور تمام ماخذ واضح کیے ہیں۔ اسی حرکی فکر اور اسلام کی ہمہ گیر اور ہمہ جہتی تشریحات کے لیے انجمن کی سطح پر سالانہ محاضرات کی محافل کا انعقاد ہوتا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی اسلام بحیثیتِ دین اور اس کے سیاسی نظام کا موضوع زیر بحث آئے گا' تو ان کی شخصیت اور فکر کو سنگِ میل کے طور پر یاد کیا جائے گا۔ اپنے خطباتِ جمعہ اور بیرونی اسفار کے دوران بھی انہوں نے فرائضِ دینی کا جامع تصور اور دینی سیاسی ہیئتِ حاکمہ کے قیام کی اہمیت کو بلاکم وکاست بیان کیا اور سامعین کو اس کے لیے انفاقِ مال اور بذلِ نفس پر اُبھارا۔ فللّٰہ الحمد!

مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے شعبہ انگریزی کے جز وقتی معاون سید افتخار احمد صاحب کا دو ہفتے قبل ہارٹ اٹیک سے انتقال ہوگیا۔ وہ اس روز حسب معمول اکیڈمی تشریف لائے تھے۔ شام کو گھر پر مغرب کی نماز کے لیے وضو کرنے کے بعد اٹھتے ہوئے گرے اور چند لمحوں میں جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں چونکہ طویل عرصے شعبہ انگریزی کے ناظم کے طور پر ان کے ساتھ آفس میں کام کرتا رہا ہوں' اس لیے ان کے مزاج' عادات اور انتہائی صالح طبیعت واطوار سے واقف ہوں۔ ہماری تحریک اور کام سے ان کا تعارف (جدہ) سعودی عرب میں پندرہ بیس سال قبل قیام کے دوران ہوا تھا' اور وہ وہاں باقاعدگی سے دروس اور اجتماعات میں شرکت کے ساتھ فعال رہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں سے درگزر کریں اور جنت الفردوس میں جگہ دیں۔ آمین!

❁❁❁

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کا ایک جامع خطاب

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین

کا اجمالی تجزیہ

از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ترتیب وتدوین: سید برہان علی۔ حافظ محمد زاہد

سُوْرَۃُ النَّبَاِ

قرآن حکیم کی آخری منزل سورۂ قٓ سے شروع ہوتی ہے۔ تعدادِ سُوَر کے اعتبار سے یہ آخری منزل تقریباً نصفِ قرآن ہے اور اس میں کل ۶۵ سورتیں ہیں، جن میں سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم تک دس مدنی سورتوں کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے۔ مزید برآں دو اور سورتیں (البیّنۃ اور النصر) مدنی ہیں، جبکہ ان کے علاوہ باقی تمام سورتیں مکّی ہیں۔ قرآن مجید کی اس آخری منزل کے حوالے سے۔ دوسری بات یہ نوٹ کیجیے کہ قرآن مجید کا یہی حصہ سب سے پہلے نازل ہوا ہے۔ یہ حصّہ حجم کے اعتبار سے اگرچہ چھوٹی چھوٹی سورتوں پر مشتمل ہے، لیکن یہ سورتیں اپنے معانی اور مفاہیم کے لحاظ سے بہت جامع ہیں۔

تیسویں پارے کی مکی سورتوں کا رنگ وہی ہے جو انتیسویں پارے کی سورتوں کا تھا، یعنی خبردار کرنا، قیامت سے قبل اور بعد میں پیش آنے والے حالات و واقعات کا بیان، جزا و سزا، بعث بعد الموت اور جنت و دوزخ کا تذکرہ وغیرہ —— تیسویں پارے کی پہلی سورۃ ''النبا'' ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا نقطہ آغاز انذار ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝﴾ چنانچہ آپؐ نے سب سے پہلے آخرت کے بارے میں خبر دی تو اس پر ایک ہنگامہ سا شروع ہوگیا، ایک ہلچل برپا ہوگئی اور لوگ ایک دوسرے سے چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ اس کا نقشہ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں کھینچا گیا ہے۔ فرمایا:

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ۝ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ۝

''یہ لوگ کس چیز کی نسبت پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ کیا اُس بڑی خبر کی نسبت جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں؟ ہرگز نہیں! (قیامت کے بارے میں ان کے خیالات ہرگز درست نہیں!) یہ عنقریب جان لیں گے۔ ہاں، ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے۔''

آیات ۶ تا ۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر کیے گئے اپنے انعامات کا تذکرہ بطور دلیل کے کیا ہے کہ وہ ذات جو ان تمام چیزوں کو بنا سکتی ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو جزا و سزا کے لیے دوبارہ زندہ کرے!— اور اس کے بعد آیات ۱۷ تا ۲۰ میں قیامت کا منظر بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ کَانَ مِیۡقَاتًا ﴿۱۷﴾ یَّوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَکَانَتۡ اَبۡوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُیِّرَتِ الۡجِبَالُ فَکَانَتۡ سَرَابًا ﴿۲۰﴾

''بے شک فیصلے کا دن مقرر ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم لوگ فوج در فوج آ موجود ہو گے۔ اور آسمان کھول دیا جائے گا تو (اس میں) دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہو کر رہ جائیں گے۔''

آگے آیات ۲۱ تا ۳۷ میں پہلے اہل دوزخ اور ان کے دردناک حالات کا تذکرہ کیا گیا اور اس کے فوراً بعد اہلِ جنت اور ان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہونے والے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں میدانِ حشر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرمایا:

جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا الرَّحۡمٰنِ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡہُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا ۙ لَّا یَتَکَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِکَ الۡیَوۡمُ الۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّاۤ اَنۡذَرۡنٰکُمۡ عَذَابًا قَرِیۡبًا ۚ یَوۡمَ یَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰہُ وَیَقُوۡلُ الۡکٰفِرُ یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

''یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے صلہ ہے انعام متعین۔ وہ جو آسمانوں اور زمین اور جو ان دونوں میں ہے سب کا مالک ہے' بڑا مہربان ہے' کسی کو اس سے بات کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ جس دن روح (حضرت جبرائیلؑ) اور ملائکہ (پروردگار کے سامنے) صف در صف کھڑے ہوں گے' اور اس وقت (دہشت کا وہ عالم ہوگا کہ) خدائے رحمٰن کے اذن کے علاوہ کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہوگی اور جو بولے گا وہ صحیح بولے گا۔ یہ دن برحق ہے' پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کے پاس (اپنا) ٹھکانہ بنا لے۔ (اے لوگو!) ہم نے تمہیں اس عذاب سے خبردار کر دیا ہے جو آنے والا ہے۔ اُس دن انسان اپنے کرتوتوں کو دیکھ لے گا جو اس نے آگے بھیجے ہیں اور کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا!''

دیکھئے یہ کلمۂ حسرت ہے جو اُس دن وہ لوگ کہیں گے جو ناکام و نامراد قرار دیے جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں ایک چڑیا ہوتا یا گھاس کا ایک تنکا ہوتا جس کا کوئی محاسبہ نہیں! اگر انسان اس دنیا میں ہی اس محاسبے کا احساس کر لے تو وہ کامیاب ہو جائے گا' ورنہ اُس روز یہ حسرت بھرا کلمہ کہنا پڑے گا: ﴿یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا﴾ ''کاش میں مٹی ہوتا!''

سُورَۃُ النّٰزِعٰت

سورۃ النازعات اور سورۂ عبس جوڑے کی شکل میں ہیں۔ سورۃ النازعات کا آغاز کچھ قسموں سے ہو رہا

ہے۔ان قسموں کے مفہوم کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔عام طور پر یہ خیال ہے کہ یہ فرشتوں کے مختلف اعمال کی قسمیں ہیں جس طرح سورۃ الصافات کے شروع میں ہیں —— دراصل یہ پانچ سورتیں ہیں: الصافات' الذّاریات' المرسلات' النّازعات اور العادیات' ان سب کا آغاز مختلف قسموں سے ہو رہا ہے —— اس سورۃ کے آغاز میں فرشتوں کے چند افعال کی قسم کھائی گئی ہے۔فرمایا:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ

''قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو ڈوب کر کھینچ لیتے ہیں' اور ان کی جو آسانی سے کھول دیتے ہیں' اور ان کی جو تیرتے پھرتے ہیں' پھر لپک کر آگے بڑھتے ہیں' پھر (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتے ہیں۔''

یہاں پر مُقسَم علیہ محذوف ہے' لیکن قسم اسی بات پر کھائی جا رہی ہے جو اس سے قبل سورتوں میں آ چکی ہے۔یعنی جس بات (قیامت) کی تمہیں خبر دی جا رہی ہے وہ اٹل اور یقینی ہے اور جزا و سزا کا معاملہ ہو کر رہے گا۔

آیات ۶ تا ۱۴ میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور آیات ۱۵ تا ۲۶ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو مختصراً بیان کیا گیا ہے —— جبکہ سورۃ کے دوسرے رکوع میں دوٹوک انداز میں بتا دیا گیا ہے کہ اصل فیصلہ کن بات آخرت کا یقین' آخرت کی باز پرس اور حساب و کتاب کا خوف ہے۔اگر تو یہ انسان کے اندر موجود ہے تو انسان کا انجام اچھا اور بھلا ہو گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو زبان سے خواہ وہ کچھ بھی کہہ رہا ہو' چاہے آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ کا ورد کر رہا ہو' لیکن دل میں یہ کچھ نہ ہو تو اس کا انجام کچھ اور ہی ہو گا۔فرمایا:

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۘ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۙ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۝ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۭ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۭ

''تو جب بڑی آفت (یعنی قیامت) آئے گی' تو اس دن انسان اپنے کاموں کو یاد کرے گا' اور دوزخ دیکھنے والے کے سامنے نکال کر رکھ دی جائے گی۔تو جس نے سرکشی کی روش اختیار کی' اور اس دنیا کی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دی' تو اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔(اس کے برعکس) جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کو بُری خواہشات سے روکتا رہا' تو اُس کا ٹھکانہ جنت ہے۔''

آگے لوگوں کے ایک سوال کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب واقع ہو گی؟ اصل بات تو یہ ہے کہ وہ لازمی واقع ہو گی لیکن اس حوالے سے وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔فرمایا گیا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۭ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ۭ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۧ

''(اے پیغمبر ﷺ! لوگ) آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہو گا؟ سو آپ اس کے ذکر سے کس فکر میں ہیں؟ اس کا منتہا (یعنی واقع ہونے کا وقت) آپ کے پروردگار ہی کو (معلوم) ہے۔جو شخص اس سے ڈر رکھتا ہے آپ تو اسی کو ڈر سنانے والے ہیں۔جب وہ اس کو دیکھیں گے (تو ایسا خیال کریں گے) کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے۔''

سُورَۃ عَبَس

اس سورۃ کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ کرتے ہوئے ایک ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے‘ اس لیے کہ بظاہر اس میں نبی اکرم ﷺ پر گرفت ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کچھ سردارانِ قریش کی محفل میں تشریف فرما تھے اور کچھ گفتگو ہو رہی تھی —— ظاہر ہے کہ گفتگو (معاذ اللہ) کسی اپنی غرض سے نہیں بلکہ دعوتِ دین کے حوالہ سے ہو رہی تھی اور حضور ﷺ کا التفات اُن کی جانب تھا —— اس دوران درویش صحابہ میں سے ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم ؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بار بار آپ کی توجّہ اپنی جانب مبذول کرانے کی کوشش کی‘ جس سے آپ کو ناگواری کا احساس ہوا اور آپ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ دیکھا جائے تو یہ معاملہ ہر اعتبار سے بجا (justified) تھا کہ میں مصروف ہوں اور یہ دخل اندازی کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی گناہ والی بات نہیں تھی‘ لیکن دیکھنے والوں کو بہرحال ایک اندیشہ اور گمان ہو سکتا تھا۔ یہ ہے وہ بات جس پر بظاہر کچھ گرفت ہوئی —— اسی طرح کا مضمون سورۃ الکہف کی آیت ۲۸ میں بھی بیان ہوا تھا: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ ’’آپؐ اپنے آپ کو روکے رکھیے ان لوگوں کے ساتھ جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں اور آپ کی نگاہیں ان سے ہٹنے نہ پائیں۔ کیا آپؐ بھی دنیا کی زندگی کے طالب ہو گئے ہیں!‘‘ معاذ اللہ‘ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ آپؐ کی یہ کیفیت ہو‘ لیکن دیکھنے والوں کو تو ایسا گمان ہو سکتا ہے‘ اس لیے کچھ گرفت ہوئی —— سورۂ عبس میں اس حوالے سے فرمایا:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝

’’(محمد ﷺ نے) تیوری پر بل ڈالے اور رخ موڑ لیا‘ جبکہ ان کے پاس آیا ایک نابینا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ (اگر آپ اس کی طرف التفات کرتے تو) شاید اس کو تزکیہ حاصل ہو جاتا‘ یا آپ اسے سمجھاتے تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا۔ جو استغنا دکھا رہا ہے (اور آپ کی دعوت کی جانب متوجہ نہیں ہو رہا) اس کی طرف آپ متوجہ ہیں‘ حالانکہ اگر وہ تزکیہ اخذ نہ کر سکے تو آپ پر کوئی الزام نہیں۔ اور جو آپ کے پاس دوڑ کر آیا‘ اور اس کے دل میں اللہ کا خوف ہے‘ اُس سے آپ غفلت برت رہے ہیں!‘‘

روایات میں آتا ہے کہ اس کے بعد جب بھی حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم آپ ﷺ کے پاس تشریف لاتے تو آپؐ اُن پر بہت شفقت فرماتے اور کہتے: ((مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِيْ فِيْهِ رَبِّيْ)) ’’خوش آمدید اُس شخص کو جس کے حوالے سے میرے رب نے مجھے عتاب فرمایا!‘‘ پھر پوچھتے: هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَة ’’کوئی کام ہے تو بتاؤ!‘‘

اس کے بعد کی آیات بہت اہم ہیں۔ آیت ۱۱ اور ۱۲ میں تو اللہ تعالیٰ کی شانِ استغنا کا بیان ہے۔ فرمایا گیا:

﴿كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ ﴿۱۲﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ (قرآن) تو ایک نصیحت (یاددہانی) ہے۔ پس جو چاہے اس نصیحت (یاددہانی) سے فائدہ اٹھائے''۔ یعنی جو چاہتا ہے اس سے فائدہ اٹھالے یہ اس کے نفع اور بھلے کی بات ہے اور اگر کوئی روگردانی کرتا ہے تو آپ اپنے آپ کو اس کے پیچھے ہلکان نہ کیجیے۔ اگلی آیات میں قرآن کی شان اور عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۙ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۙ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ؕ

''(یہ بڑی قدر و منزلت والی کتاب) بہت باعزت صحیفوں میں درج ہے' جو (اپنی شان میں) بہت بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں' معزز اور نیکوکار کاتبوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔''

سورۃ کے آخر میں قیامت کا نقشہ لرزہ طاری کر دینے والے انداز میں یوں کھینچا گیا ہے جسے ہم عام الفاظ میں کہتے ہیں کہ اس وقت نفسا نفسی کا عالم ہوگا اور ہر انسان کو اپنی پڑی ہوگی' نہ کوئی بیٹا باپ کے کام آئے گا اور نہ باپ بیٹے کے۔ فرمایا گیا:

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۚ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۙ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ؕ

''جب وہ کٹھن گھڑی آئے گی' تو اس دن انسان دور بھاگے گا اپنے بھائی سے' اپنے ماں باپ سے' اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے۔ اُس دن ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی' کسی اور کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جائے گا۔''

سورۃ کی آخری پانچ آیات میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن تمام بنی نوع انسان ربّ العالمین کے سامنے فیصلے کے انتظار میں کھڑے ہوں گے' جبکہ فیصلہ اور نتیجہ ان کے اپنے چہروں سے عیاں ہو رہا ہوگا۔ یوں سمجھ لیں جیسے سکول میں نتیجہ سنائے جانے کے دن اکثر بچوں کے چہروں کے تاثرات سے ان کا نتیجہ عیاں ہو رہا ہوتا ہے' اسی طرح قیامت کے دن بھی چہروں کے تاثرات سے ہر شخص کا اندازہ ہو جائے گا۔ اس حوالے سے فرمایا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۚ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۙ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ؕ

''اور کتنے ہی چہرے اُس روز (نورِ ایمان سے) چمک رہے ہوں گے' خنداں و شاداں ہوں گے اور کتنے ہی چہرے ہوں گے جن پر گرد پڑ رہی ہوگی (اور) سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔ یہ وہ ہوں گے جو کُفّار اور بدکردار تھے۔''

سُورۃُ التَّکوِیر

سورۃ التکویر اور سورۃ الانفطار دونوں جوڑے کی شکل میں ہیں اور ان کے مضامین بھی تقریباً ایک جیسے ہیں۔ دونوں کے آغاز میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سورۃ الانفطار کی نسبت سورۃ التکویر میں یہ نقشہ ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دونوں سورتوں میں ایک ہی مضمون آیا ہے۔ سورۃ التکویر میں فرمایا: ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾﴾ ''اس روز انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے!'' جبکہ سورۃ الانفطار میں فرمایا گیا: ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿۵﴾﴾ ''اُس روز ہر انسان کو معلوم

ہو جائے گا کہ کیا اس نے آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا!‘‘

سورۃ التکویر کی اگلی آیات میں وہ مضمون آ رہا ہے جو سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں بیان ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں پہلے حضور ﷺ کا ذکر تھا‘ بعد میں حضرت جبرائیل کا‘ اور یہاں حضرت جبرائیل کا ذکر پہلے آیا ہے اور حضور ﷺ کا بعد میں۔ جیسے حدیثِ نبوی میں ہم دیکھا کرتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی کون ہیں اور ان کی آپس میں ملاقات بھی ثابت ہے کہ نہیں‘ اسی طرح یہ قرآن ’’حدیثُ اللہ‘‘ ــــ ﴿فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ﴾ ــــ ہے۔ اس کے راویٔ اول حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور راویٔ دوم حضرت محمد ﷺ۔ اب ان دونوں راویوں نے ایک دوسرے سے ملاقات بھی کی ہے یا نہیں؟ ــــ یہ مضمون سورۃ النجم میں آیا تھا اور اب یہاں سورۃ التکویر میں اس کا اعادہ ہو رہا ہے۔ یہاں چار قسموں کے بعد فرمایا گیا:

اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ۙ﴿۱۹﴾ ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ﴿ۙ۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ﴿ؕ۲۱﴾ وَ مَا صَاحِبُکُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿ۚ۲۲﴾ وَ لَقَدۡ رَاٰہُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِیۡنِ ﴿ۚ۲۳﴾ وَ مَا ہُوَ عَلَی الۡغَیۡبِ بِضَنِیۡنٍ ﴿ۚ۲۴﴾ وَ مَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ ﴿ۙ۲۵﴾ فَاَیۡنَ تَذۡہَبُوۡنَ ﴿ؕ۲۶﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۙ۲۷﴾ لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّسۡتَقِیۡمَ ﴿ؕ۲۸﴾

’’بے شک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے۔ جو صاحب قوت‘ مالک عرش کے ہاں اونچے درجے والا سردار اور امانت دار ہے۔ اور (اے مکے والو!) تمہارے رفیق (یعنی محمد ﷺ) دیوانے نہیں ہیں۔ انہوں نے اس (جبرائیلؑ) کو افق مبین پر (ان کی اصلی شکل میں) دیکھا ہے۔ اور وہ پوشیدہ باتوں کو ظاہر کرنے میں بخیل نہیں ہیں۔ اور یہ شیطان مردود کا کلام نہیں ہے۔ تو تم کدھر جا رہے ہو؟ یہ تو تمام جہان والوں کے لیے ایک یاددہانی ہے۔ جو بھی تم میں سے چاہے سیدھی راہ اختیار کرے۔‘‘

اس سورۃ کی آخری آیت میں مشیت الٰہی سے متعلق وہی مضمون دہرایا گیا ہے جو اس سے پہلے سورۃ المدثر ــــ ﴿وَ مَا یَذۡکُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ﴾ (آیت ۵۶) ’’اور نصیحت بھی تبھی حاصل کریں گے جب اللہ چاہے‘‘ ــــ اور سورۃ الدہر ــــ ﴿وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ﴾ (آیت ۳۰) ’’اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ کو منظور ہو‘‘ ــــ میں بیان ہوا ہے‘ جبکہ سورۃ التکویر کی آخری آیت میں اس حوالے سے فرمایا گیا: ﴿وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۹﴾﴾ ’’اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو تمام جہانوں کا پروردگار چاہے!‘‘

سُورۃُ الانفِطَار

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو گیا کہ سورۃ الانفطار کی ابتدائی آیات میں قیامت اور اس دن پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہے‘ لیکن اس کا مرکزی مضمون آیت ۶ میں بیان ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّہَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الۡکَرِیۡمِ ۙ﴿۶﴾﴾ ’’اے انسان! تجھے اپنے ربّ کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکہ میں ڈالا ہوا ہے؟‘‘ ــــ اس سورت کے مرکزی مضمون کے حوالے سے یہ سمجھ لیجیے کہ ہمارے ہاں گمراہی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شانِ غفّاری کو ذہنی سہارا بنا کر گناہوں پر جری ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی رحمت کی اس قدر امید کہ اُس کی پکڑ

کا خوف نہ رہے‘ یہ ہمارے ہاں گمراہی کی ایک بہت بڑی صورت ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ انسان میں بین الخوف والرّجاء کی کیفیت برقرار رہے۔ اللہ کی پکڑ کا خوف بھی دل میں ہو اور اس کی رحمت کی امید بھی ہو۔ اگر یہ دونوں کیفیات بیک وقت ہوں اور متوازی بھی ہوں تو انسان کا طرزِ عمل درست ہے‘ لیکن اگر اس کی رحمت اور شانِ غفاری کے حوالے سے دھوکہ کھا گئے —— جیسے سورۃ الحدید میں فرمایا: ﴿وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾﴾ ”اور تم کو دھوکہ دیا اللہ کے بارے میں بڑے دھوکہ باز (شیطان) نے“—— تو یاد رکھو کہ وہ انتقام لینے والا اور سزا دینے والا بھی ہے۔ اس لیے آگے آیات میں فرمایا:

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۚ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۚ

”ہرگز نہیں‘ بلکہ تم لوگ تو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ عالی قدر (اور تمہارے اعمال کو) لکھنے والے۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں۔ بے شک نیک لوگ جنت میں‘ اور گناہ گار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔“

سُورۃُ الْمُطَفِّفِیْن

سورۃ المطفّفین اور سورۃ الانشقاق بھی ایک جوڑے کی شکل میں ہیں —— ’طف‘ عربی زبان میں بہت ہی حقیر چیز کو کہا جاتا ہے اور مطففین کا مطلب ہے بہت ہی حقیر چیز کے لیے دھوکہ دینے والے —— کم تولنا بھی ایک دھوکہ ہے جس میں انسان معمولی سی چیز کے لیے اپنا ایمان فروخت کر دیتا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۖ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۗ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۗ

”ہلاکت ہے گھٹانے والوں کے لیے۔ جو لوگوں سے ناپ تول کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں‘ اور جب ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔ کیا انہیں گمان نہیں کہ ایک دن انہیں اٹھایا جائے گا! وہ بہت بڑا دن ہے‘ جس دن لوگ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے۔“

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ ان سورتوں کی بعض آیات قرآن مجید کے فلسفہ وحکمت کے اعتبار سے بہت اہم ہیں‘ اس سورۃ میں بھی قرآن مجید کے فلسفہ وحکمت کے اعتبار سے دو مقام بہت اہم ہیں۔ پہلا مقام ہے:

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۗ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

”جب اس کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ ہرگز نہیں! بلکہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں۔“

انسانی جسم میں دل بہت اہمیت کا حامل ہے اور اس میں معرفتِ خداوندی مضمر ہے۔ یہ گویا آئینہ جہاں نما

ہے‘ لیکن اس پر انسان کے برے اعمال کی وجہ سے داغ دھبے پڑتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک داغ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو وہ داغ مٹ جاتا ہے اور اگر توبہ نہ کرے اور گناہ کرتا رہے تو اسی طرح داغ پڑتے پڑتے دل پوری طرح زنگ آلود ہوتا ہے اور بند مٹھی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ آئینہ قلب کے جلاء وصیقل کا ذریعہ تلاوت قرآن مجید ہے۔ اس حوالے سے ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ)) قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا جِلَاءُ هَا؟ قَالَ :((كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ)) (رواہ البیھقی)

’’بنی آدم کے قلوب بھی اسی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا پانی پڑنے سے!‘‘ دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! اس زنگ کو دُور کس چیز سے کیا جائے؟ فرمایا: ’’موت کی بکثرت یاد اور قرآن مجید کی تلاوت!‘‘

قرآن مجید کے فلسفے اور حکمت کے حوالے سے اس سورۃ کا دوسرا اہم مقام آیت ۲۶ ہے۔ ماقبل آیات میں جنت کی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اس آیت میں فرمایا: ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾﴾ ’’تو (جنت کی ان نعمتوں کے) شائقین کو چاہیے کہ اس کی رغبت کریں‘‘۔ تنافس کہتے ہیں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کو۔ یہاں فرمایا گیا کہ جنت کی نعمتوں کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو‘ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دولت‘ شہرت‘ عزت‘ وجاہت اور اقتدار میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

سورۃ کی آخری آیات جزا وسزا کے حوالے سے مؤمنین کے لیے بہت امید افروز اور حوصلہ افزا ہیں۔ ارشاد ہوا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

’’جو گنہگار (یعنی کفار) ہیں وہ (دنیا میں) مؤمنوں سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو حقارت سے اشارے کرتے۔ اور جب اپنے گھر کو لوٹتے تو اتراتے ہوئے لوٹتے۔ اور جب ان (مؤمنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ یہی تو گمراہ ہیں۔ حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ تو آج مؤمن کافروں سے ہنسی کریں گے۔ (اور) تختوں پر (بیٹھے ہوئے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے۔ تو کیا کافروں کو ان کے اعمال کا (پورا پورا) بدلہ مل گیا!‘‘

سُورۃُ الْاِنْشِقَاق

سورۃ المطففین کی طرح اس سورۃ میں بھی قرآن مجید کے فلسفہ وحکمت کے اعتبار سے ایک بڑی عظیم آیت آئی ہے۔ سورۃ کی ابتدا میں چند قسموں کے ذکر کے بعد آگے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝

''اے انسان! تم کو دکھ سہتے ہوئے بالآخر اپنے رب کے حضور پہنچ جانا ہے۔''

فلسفہ کے اعتبار سے یہ بہت عظیم آیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کو بے پناہ دکھ اٹھانے پڑتے ہیں۔ چنانچہ بدھ مت کا فلسفہ یہ ہے کہ ''سر دکھم'' یعنی اس دنیا میں دکھ ہی دکھ ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بھولنے کا مادہ رکھا ہے' جو ایک safety valve ہے کہ کچھ وقت کے بعد وہ یہ دکھ بھول جاتا ہے' ورنہ یہ صدمات انسان کے لیے سوہانِ روح بن جائیں۔ دوسری طرف یہ صدمات اور تکلیفیں حیوان بھی برداشت کرتے ہیں' لیکن انسان کا معاملہ حیوانات سے مختلف ہے اور انسانوں کو ان تمام مصائب اور تکالیف کو برداشت کرنے کے بعد ایک دن اپنے رب کے سامنے محاسبہ کے لیے بھی کھڑا ہونا ہے۔ چنانچہ اس دن کے حوالے سے فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝

''اُس دن جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' تو اُس کا حساب کتاب آسان ہوگا' اور وہ لوٹے گا اپنے گھر والوں کے پاس بہت مسرور و شادمان ہو کر!''

''حساب یسیر'' کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ربّ العالمین کے سامنے پیشی ہوگی اور بس سرسری سا حساب ہوگا۔ اس لیے دعا کرتے رہنا چاہیے: اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا یَّسِیْرًا ''اے اللہ! ہم سے آسان حساب لینا!'' آگے فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝

''اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے تھمایا جائے گا' وہ تو موت کی خواہش کرے گا۔ (لیکن موت نہیں آئے گی) اور وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ یہ اپنے اہل وعیال میں بہت مسرور رہتا تھا' اور خیال کرتا تھا کہ اُس کو کبھی (اللہ کی طرف) لوٹنا نہ ہوگا۔''

غور کیجیے کہ جس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ وہاں اپنے اہل وعیال کے پاس خوش ہو کر آئے گا' جبکہ یہ شخص جس کو بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملا ہے یہ دنیا میں اپنے گھر والوں کے ساتھ عیاشیاں کر آیا ہے' اس لیے اب اس کے لیے جہنم ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک!

سُورۃ البُرُوْج

اگلا جوڑا سورۃ البروج اور سورۃ الطارق کا ہے۔ سورۃ البروج میں بدترین تعذیب و تشدّد کا ایک تاریخی واقعہ ذکر کیا گیا ہے' جس میں ایک مشرک بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے کچھ لوگوں کو آگ میں جلا دیا تھا۔ ان کا قصور بس یہی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے۔ سورۃ المؤمن میں بھی ہم نے مؤمن آلِ فرعون کا یہ قول پڑھا تھا: ﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ﴾ (آیت ۲۸) ''کیا تم ایک شخص کو قتل کرنا چاہتے

ہو صرف اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے!‘‘— فرمایا:

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ؕ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ؕ

’’خندقوں (کے کھودنے) والے ہلاک کر دیے گئے۔ (یعنی) آگ (کی خندقیں) جن میں ایندھن (جھونک رکھا) تھا۔ جبکہ وہ ان (کے کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور جو (سختیاں) اہلِ ایمان پر کر رہے تھے ان کو سامنے دیکھ رہے تھے اور ان مؤمنوں سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی اور وجہ سے نہ تھی کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو غالب اور قابل ستائش ہے۔ جس کی آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے اور اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔‘‘

سُورۃُ الطَّارِق

سورۃ الطارق کی ابتدا بھی قسموں سے ہو رہی ہے۔ رات کو نمودار ہونے والے روشن تارے کی قسم کھا کر فرمایا: ﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝﴾ ’’کوئی جان ایسی نہیں ہے جس پر کوئی نگہبان نہیں ہے!‘‘ پھر انسان کو اس کی اپنی پیدائش پر غور کرنے کو کہا گیا ہے۔ فرمایا:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ؕ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ؕ

’’پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔ وہ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا ہوا ہے‘ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بے شک اللہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔‘‘

آگے آسمان اور زمین کی قسم کھا کر قرآن مجید کی حقانیت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ فرمایا:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ؕ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۙ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۚ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۧ

’’آسمان کی قسم جو بارش برساتا ہے‘ اور زمین کی قسم جو پھٹ جاتی (یعنی فصل اگاتی) ہے‘ یقیناً یہ قرآن قولِ فیصل (حق کو باطل سے جدا کرنے والا بن کر نازل ہوا) ہے۔ اور یہ بے ہودہ بات نہیں۔ یہ لوگ اپنی چال چل رہے ہیں‘ اور میں بھی اپنی تدبیر کر رہا ہوں۔ تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان کافروں کو بس چند روز کی مہلت دیں!‘‘

یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی رسّی دراز کی ہوئی ہے‘ لیکن اس کے بعد عنقریب یہ شکنجے میں کسے جانے والے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ!

❁❁❁

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ النساء

آیات ۱۳۵ تا ۱۳۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ
وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ
وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ
بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ
سَبِيْلًا ۝ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝ ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ
دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝

ترکیب: ''كُوْنُوْا'' کا اسم اس میں ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے۔ ''قَوّٰمِيْنَ'' اور ''شُهَدَآءَ'' دونوں اس کی خبر ہیں۔ ''عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ'' کا مبتدأ اور خبر دونوں محذوف ہیں۔ پورا جملہ کچھ اس طرح ہوتا ''وَلَوْ هُوَ صَوْبٌ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ''۔ ''اَلْوَالِدَيْنِ'' اور ''اَلْاَقْرَبِيْنَ'' عَلٰى'' پر عطف ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہیں۔ لفظ ''اَوْلٰى'' افعل تفضیل ہے۔ ''بِهِمَا'' میں تثنیہ کی ضمیر ''اَلْوَالِدَيْنِ'' اور ''اَلْاَقْرَبِيْنَ'' کے لیے ہے۔ ''تَلْوٗا'' کا مفعول ''اَلْسِنَتَكُمْ'' محذوف ہے۔ ''لِلّٰهِ جَمِيْعًا'' میں لفظ ''اَللّٰه'' پر لام تملیک ہے۔

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	:اے لوگو جو
كُوْنُوْا	:تم ہو جاؤ
بِالْقِسْطِ	:انصاف کی
لِلّٰهِ	:اللہ کے لیے
عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ	:تمہارے اپنے آپ پر
وَالْاَقْرَبِيْنَ	:اور قرابت داروں پر
غَنِيًّا	:مالدار
فَاللّٰهُ	:تو اللہ
بِهِمَا	:ان دونوں کا
الْهَوٰٓى	:خواہش کی
تَعْدِلُوْا	:انصاف (نہ) کرو
تَلْوٗٓا	:تم مروڑتے ہو (زبانوں کو)
تُعْرِضُوْا	:بے رخی کرتے ہو
كَانَ	:ہے
تَعْمَلُوْنَ	:تم لوگ کرتے ہو
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	:اے لوگو جو
اٰمِنُوْا	:تم ایمان لاؤ
وَرَسُوْلِهٖ	:اور اس کے رسولوں پر
نَزَّلَ	:اس نے بتدریج اتاری
وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ	:اور اس کتاب پر جو
مِنْ قَبْلُ	:اس سے پہلے
يَّكْفُرْ	:انکار کرے گا
وَمَلٰٓئِكَتِهٖ	:اور اس کے فرشتوں کا
وَرُسُلِهٖ	:اور اس کے رسولوں کا
فَقَدْ ضَلَّ	:تو وہ گمراہ ہوا ہے
اِنَّ الَّذِيْنَ	:بے شک جو لوگ
ثُمَّ	:پھر

اٰمَنُوْا	:ایمان لائے ہو
قَوّٰمِيْنَ	:بہت زیادہ نگرانی کرنے والے
شُهَدَآءَ	:(اور) گواہی دینے والے
وَلَوْ	:اور اگرچہ (وہ پڑے)
اَوِالْوَالِدَيْنِ	:یا والدین پر
اِنْ يَّكُنْ	:اگر وہ ہوں
اَوْ فَقِيْرًا	:یا محتاج
اَوْلٰى	:زیادہ حمایتی ہے
فَلَا تَتَّبِعُوا	:پس تم پیروی مت کرو
اَنْ	:کہ
وَاِنْ	:اور اگر
اَوْ	:یا
فَاِنَّ اللّٰهَ	:تو یقیناً اللہ
بِمَا	:اس سے جو
خَبِيْرًا	:باخبر
اٰمِنُوْٓا	:ایمان لائے ہو
بِاللّٰهِ	:اللہ پر
وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ	:اور اس کتاب پر جو
عَلٰى رَسُوْلِهٖ	:اپنے رسول پر
اَنْزَلَ	:اتاری
وَمَنْ	:اور جو
بِاللّٰهِ	:اللہ کا
وَكُتُبِهٖ	:اور اس کی کتابوں کا
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	:اور آخری دن کا
ضَلٰلًا بَعِيْدًا	:دور کی گمراہی میں
اٰمَنُوْا	:ایمان لائے
كَفَرُوْا	:انہوں نے کفر کیا

ثُمَّ اٰمَنُوْا : پھر ایمان لائے	ثُمَّ كَفَرُوْا : پھر کفر کیا
ثُمَّ : پھر	ازْدَادُوْا : وہ زیادہ ہوئے
كُفْرًا : بلحاظ کفر کے	لَّمْ يَكُنِ : تو ہرگز نہیں ہے
اللّٰهُ : اللہ	لِيَغْفِرَ : کہ وہ معاف کرے
لَهُمْ : ان کو	وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ : اور نہ (یہ) کہ وہ ہدایت دے ان کو
سَبِيْلًا : راستے کی	بَشِّرِ : آپؐ بشارت دیجیے
الْمُنٰفِقِيْنَ : منافقوں کو	بِاَنَّ : اس کی کہ
لَهُمْ : ان کے لیے	عَذَابًا اَلِيْمًا : ایک دردناک عذاب ہے
الَّذِيْنَ : (یہ) وہ لوگ (ہیں) جو	يَتَّخِذُوْنَ : بناتے ہیں
الْكٰفِرِيْنَ : کافروں کو	اَوْلِيَآءَ : کارساز
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ : مؤمنوں کے علاوہ	اَ : کیا
يَبْتَغُوْنَ : یہ لوگ تلاش کرتے ہیں	عِنْدَهُمُ : ان کے پاس
الْعِزَّةَ : عزت کو	فَاِنَّ الْعِزَّةَ : تو یقیناً عزت تو
لِلّٰهِ : اللہ ہی کی ملکیت ہے	جَمِيْعًا : کل کی کل

نوٹ ۱ : آیت ۱۳۵ میں اللہ تعالیٰ کا حکم بہت واضح ہے۔ اس میں یہ نہیں کہا ہے کہ انصاف کرو بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ انصاف کی نگہبانی کرنے والے بنو۔ اس طرزِ کلام سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انصاف کرنے کا اختیار تو معاشرے میں چند افراد کو حاصل ہوتا ہے اور انصاف کرنا ان کا فرض ہے' البتہ انصاف کی نگہبانی کرنا معاشرے کے ہر فرد پر فرض ہے۔ اس لیے کسی بھی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ حق بات کہنے اور حق کی گواہی دینے سے گریز کرے' خواہ اس کے نتیجے میں اپنا نقصان ہوتا ہو یا والدین اور رشتہ داروں کا نقصان ہوتا ہو' مزید یہ کہ اس فرض کی ادائیگی میں نہ تو کسی مالدار کی کوئی رعایت کرے اور نہ کسی غریب پر ترس کھائے۔

ہم لوگ اپنے رب کے اس حکم کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ ہر شخص کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ ہے۔

نوٹ ۲ : آیت ۱۳۶ میں جو لوگ ایمان لا چکے ہیں' انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ تم لوگ ایمان لاؤ۔ یہ دراصل اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کی بات ہے۔ اس لیے کہ ایک شخص جب دین کی مبادیات کا زبان سے اقرار کر لیتا ہے تو وہ اہل ایمان کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ اب اس سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ یہ ہے کہ جن باتوں کا زبان سے اقرار کیا ہے' ان پر اب دلی یقین کی کیفیت بھی پیدا کرو۔ اس حکم کی اہمیت کو سمجھ لیں۔

اس دنیا میں کسی کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ صرف زبانی اقرار کی بنیاد پر ہوگا' کیونکہ دلی یقین کو

ناپنے کا ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ زبانی اقرار ایک جامد حقیقت ہے۔ اس کا وجود یا تو ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اس میں کسی کمی بیشی کا امکان نہیں۔ اس لیے دُنیوی حقوق میں تمام مسلمان برابر ہیں۔ کسی باپ کا ایک بیٹا عابد و زاہد اور فرمانبردار ہے' جبکہ دوسرا بیٹا فاسق و فاجر اور نافرمان ہے' لیکن والد کے انتقال پر ترکہ میں دونوں کو برابر حصہ ملے گا۔ فرمانبردار کو زیادہ اور نافرمان کو کم دینے کی اجازت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی اولاد کو عاق کرنے کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔

آخرت میں فیصلے کے وقت بھی پہلے زبانی اقرار کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ کیونکہ اقرار کرنے والوں اور انکار کرنے والوں کا حساب الگ الگ ہوگا۔ اقرار کرنے والوں کی نمازوں کی پہلے گنتی ہوگی۔ اگر نمازوں کی گنتی پوری ہوگی تو حساب کتاب آگے بڑھے گا اور باقی نیکیوں کی گنتی ہوگی۔

اعمال کی گنتی کے بعد ان کا وزن ہوگا۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں دلی یقین کی ضرورت پڑے گی۔ اس لیے کہ ایک مسلمان دلی یقین کے ساتھ نیکیاں کرتا رہا اور دوسرا یقین سے خالی دل کے ساتھ نیکیاں کرتا رہا' تو دونوں کی نیکیاں گنتی میں اگر برابر بھی ہوں' تب بھی وزن میں برابر نہیں ہوں گی۔ ایک نیکی کے عوض دس سے سات سو نیکی کے اجر کے فیصلے میں نیکی کرنے والے کے ظروف و احوال کے ساتھ اس کی نیت اور دلی کیفیت کا بھی عمل دخل ہوگا۔ اس لیے زبانی اقرار کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ دلی یقین بھی پیدا کرو۔

اللہ تعالیٰ کے مطالبے کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جس طرح زبانی اقرار ایک جامد حقیقت ہے اور اس میں کمی بیشی کا امکان نہیں ہے' اسی طرح دلی یقین ایک متغیر حقیقت ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے آخرت میں کامیابی کے خواہش مند مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے دلی یقین کے لیے فکرمند رہے' اللہ سے دعا بھی کرتا رہے اور اسے برابر چیک بھی کرتا رہے۔ جس طرح ذیابیطس کا مریض صبح و شام اپنا شوگر لیول چیک کرتا ہے۔

آیات ۱۴۰ تا ۱۴۱

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۚ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ۝ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۠ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝

خ و ض

خَاضَ يَخُوْضُ (ن) خَوْضًا : (۱) پانی کی تہہ میں اترنا (۲) بال کی کھال نکالنا' لاحاصل گفتگو کرنا' بے پر کی اڑانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

خَائِضٌ (اسم الفاعل) : لاحاصل گفتگو کرنے والا۔ ﴿وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ﴾ (المدثر)
''اور ہم لوگ لاحاصل گفتگو کرتے تھے لاحاصل بات کرنے والوں کے ساتھ۔''

ح و ذ

حَاذَ يَحُوْذُ (ن) حَوْذًا : حفاظت کرنا' نگہبانی کرنا۔

اِسْتَحْوَذَ (استفعال) اِسْتِحْوَاذًا : گھیر لینا' غالب ہونا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب : ''سَمِعْتُمْ'' کا مفعول ''اٰيٰتِ اللّٰهِ'' ہے۔ ''بِهَا'' میں ''هَا'' کی ضمیر ''اٰيٰتِ اللّٰهِ'' کے لیے ہے۔ ''جَمِيْعًا'' تمیز ہے اور تاکید کے لیے ہے۔ ''اِنْ'' شرطیہ کی وجہ سے ''كَانَ'' کا ترجمہ حال میں ہوگا۔ ''فَتْحٌ'' اور ''نَصِيْبٌ'' مبتدأ مؤخر نکرہ اور ''كَانَ'' کا اسم ہیں' ان کی خبریں محذوف ہیں۔ ''وَنَمْنَعْكُمْ'' کا مجزوم ہونا بتا رہا ہے کہ یہ ''اَلَمْ'' پر عطف ہے۔ ''لَنْ يَّجْعَلَ'' کا مفعول ''سَبِيْلًا'' ہے۔

ترجمہ:

وَقَدْ نَزَّلَ : اور وہ (یعنی اللہ) اتار چکا ہے — عَلَيْكُمْ : تم پر
فِى الْكِتٰبِ : کتاب میں — اَنْ : کہ
اِذَا : جب کبھی — سَمِعْتُمْ : تم سنو
اٰيٰتِ اللّٰهِ : اللہ کی آیات کو — يُكْفَرُ : (کہ) انکار کیا جاتا ہو
بِهَا : ان کا — وَيُسْتَهْزَاُ : اور مذاق اڑایا جاتا ہو
بِهَا : ان کا — فَلَا تَقْعُدُوْا : تو مت بیٹھو
مَعَهُمْ : ان کے ساتھ — حَتّٰى : یہاں تک کہ
يَخُوْضُوْا : وہ لوگ بے پر کی اڑائیں — فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ : ان کے علاوہ کسی اور بات میں
اِنَّكُمْ : یقیناً تم — اِذًا : پھر تو
مِّثْلُهُمْ : ان جیسے ہوگے — اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ
جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ : منافقوں کو جمع کرنے والا ہے — وَالْكٰفِرِيْنَ : اور کافروں کو
فِيْ جَهَنَّمَ : جہنم میں — جَمِيْعًا : سب کو
الَّذِيْنَ : (یہ) وہ لوگ (ہیں) جو — يَتَرَبَّصُوْنَ : انتظار کرتے ہیں
بِكُمْ : تمہارے بارے میں — فَاِنْ : پھر اگر
كَانَ : ہوتی ہے — لَكُمْ : تمہارے لیے
فَتْحٌ : کوئی فتح — مِّنَ اللّٰهِ : اللہ (کی طرف) سے
قَالُوْٓا : تو وہ کہتے ہیں — اَلَمْ نَكُنْ : کیا ہم نہیں تھے

مَّعَكُمْ :تمہارے ساتھ	وَاِنْ :اوراگر
كَانَ :ہوتا ہے	لِلْكٰفِرِيْنَ :کافروں کے لیے
نَصِيْبٌ :کوئی حصہ	قَالُوْٓا :تو وہ کہتے ہیں
اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ :کیا ہم قابو یافتہ نہ تھے	عَلَيْكُمْ :تم پر
وَنَمْنَعْكُمْ :اور کیا ہم نے نہیں بچایا تم کو	مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ :مؤمنوں سے
فَاللّٰهُ :پس اللہ	يَحْكُمُ :فیصلہ کرے گا
بَيْنَكُمْ :تمہارے درمیان	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ :قیامت کے دن
وَلَنْ يَّجْعَلَ :اور ہرگز نہیں بنائے گا	اللّٰهُ :اللہ
لِلْكٰفِرِيْنَ :کافروں کے لیے	عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ :مؤمنوں پر
سَبِيْلًا :کوئی الزام	

نوٹ ۱ :سورۃ النساء مدنی ہے۔اس سے پہلے مکی دور میں سورۃ الانعام کی آیت ۶۸ میں یہی حکم آ چکا تھا جس کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے۔

نوٹ ۲ :اللہ کی آیات کا انکار کرنے اور مذاق اڑانے کے مفہوم میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے قیامت تک کے لیے ان لوگوں کو بھی شامل کیا ہے جو قرآن کی غلط تفسیر کریں یا اس کے معانی میں تحریف کریں یا بدعات نکالیں (مظہری، ج ۲، ص ۲۶۳)۔تفسیر بحر محیط میں ہے کہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس بات کا زبان سے کہنا گناہ ہے اس کا کانوں سے بااختیار سننا بھی گناہ ہے۔اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ جب وہ اس گفتگو کو ختم کر کے کوئی بات شروع کر دیں تو پھر ایسے لوگوں کی مجلس میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں۔تفسیر مظہری میں دونوں آراء کی تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ ایسے لوگوں کی مجلس میں بلاضرورت شرکت کرنا تو حرام ہے، البتہ کسی شرعی ضرورت کے تحت یا دعوت وتبلیغ کے لیے شرکت کی جائے تو جائز ہے (منقول از معارف القرآن)۔

نوٹ ۳ :دیندار لوگوں کی محفل میں اگر شخصیات زیر بحث ہوں اور غیبت و بہتان کا بازار گرم ہو تو اللہ کے حکم کی یہ خلاف ورزی بھی اس کی آیات کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔اوّل انہیں اس کام سے روکیں اور اگر نہ مانیں تو احتجاجاً واک آؤٹ کر جائیں۔

آیات ۱۴۲ تا ۱۴۷

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ
يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۫ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ
اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا
وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا
عَظِيْمًا ۝ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝

ك س ل

كَسِلَ يَكْسَلُ (س) كَسِلًا : کاہل ہونا' سستی کرنا۔

كَسْلَانُ ج كُسَالٰى (فَعْلَانٌ کے وزن پر مبالغہ) : انتہائی کاہل' سست۔ آیت زیر مطالعہ۔

ذ ب ذ ب

ذَبْذَبَ (رباعی) ذَبْذَبَةٌ : کسی لٹکی ہوئی چیز کا ہوا میں ہلنا (گھڑی کے پنڈولم کی طرح)' مضطرب ہونا۔

مُذَبْذَبٌ (اسم الفاعل جو صفت کے طور پر آتا ہے) : مضطرب ہونے والا یعنی مضطرب۔ آیت زیر مطالعہ۔

س ف ل

سَفَلَ يَسْفُلُ ۔ سَفِلَ يَسْفَلُ ۔ سَفُلَ يَسْفُلُ (ن۔س۔ک) سَفَالًا : (۱) نیچا یا پست ہونا۔ (۲) حقیر یا گھٹیا ہونا۔

سَافِلٌ (فَاعِلٌ کے وزن پر صفت) : پست' حقیر۔ ﴿فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ (الحجر:۷۴) ''تو کر دیا ہم نے اس (یعنی بستی) کے بلند کو اس کا پست۔''

اَسْفَلُ مؤنث سُفْلٰى (افعل تفضیل) : زیادہ پست' زیادہ حقیر۔

ترکیب : ''قَامُوْا'' کی ضمیر فاعلی ''هُمْ'' کا حال ''كُسَالٰى'' ہے۔ ''يُرَاءُوْنَ'' بھی انہی کا حال ہے۔ ''لَا يَذْكُرُوْنَ'' کی ضمیر فاعلی ''هُمْ'' کا حال ''مُذَبْذَبِيْنَ'' ہے۔ ''ذٰلِكَ'' کا اشارہ ذکر اللہ کی طرف ہے۔ ''اَلدَّرْكِ الْاَسْفَلِ'' تفضیل کل ہے۔ ''مَا يَفْعَلُ'' کا ''مَا'' استفہامیہ ہے۔

ترجمہ:

اِنَّ : بے شک	الْمُنٰفِقِيْنَ : منافق
يُخٰدِعُوْنَ : دھوکہ دیتے ہیں	اللّٰهَ : اللہ کو
وَهُوَ : اور وہ	خَادِعُهُمْ : ان کو دھوکہ دینے والا ہے
وَاِذَا : اور جب بھی	قَامُوْٓا : وہ کھڑے ہوتے ہیں
اِلَى الصَّلٰوةِ : نماز کے لیے	قَامُوْا : تو وہ کھڑے ہوتے ہیں
كُسَالٰى : انتہائی سستی سے	يُرَآءُوْنَ : دکھاتے ہوئے
النَّاسَ : لوگوں کو	وَلَا يَذْكُرُوْنَ : اور وہ نہیں یاد کرتے
اللّٰهَ : اللہ کو	اِلَّا قَلِيْلًا : مگر تھوڑا سا
مُذَبْذَبِيْنَ : مضطرب ہوتے ہوئے	بَيْنَ ذٰلِكَ : اس کے دوران

لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ: نہ اس طرف ہوتے ہیں
وَمَنْ :اور جس کو
اللّٰهُ :اللہ
لَهٗ :اس کے لیے
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ :اے لوگو! جو
لَا تَتَّخِذُوا :تم مت بناؤ
اَوْلِيَآءَ :کارساز
اَ:کیا
اَنْ :کہ
لِلّٰهِ :اللہ کے لیے
سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا :ایک واضح دلیل
فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ:سب سے نچلی گہرائی میں ہیں
وَلَنْ تَجِدَ:اور تو ہرگز نہیں پائے گا
نَصِيْرًا :کوئی مددگار
تَابُوْا :توبہ کی
وَاعْتَصَمُوْا :اور مضبوطی سے پکڑا
وَاَخْلَصُوْا:اور خالص کیا
لِلّٰهِ :اللہ کے لیے
مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ :مؤمنوں کے ساتھ ہیں
يُؤْتِ :دے گا
الْمُؤْمِنِيْنَ :مؤمنوں کو
مَا :کیا
اللّٰهُ :اللہ
اِنْ :اگر
وَاٰمَنْتُمْ :اور ایمان لاؤ
اللّٰهُ :اللہ
عَلِيْمًا: جاننے والا

وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ:اور نہ اس طرف ہوتے ہیں
يُّضْلِلِ :گمراہ کرتا ہے
فَلَنْ تَجِدَ :پس تو ہرگز نہیں پائے گا
سَبِيْلًا :کوئی راستہ
اٰمَنُوْا :ایمان لائے ہو
الْكٰفِرِيْنَ :کافروں کو
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ:ایمان والوں کے علاوہ
تُرِيْدُوْنَ :تم چاہتے ہو
تَجْعَلُوْا :تم بناؤ
عَلَيْكُمْ :اپنے خلاف
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ :یقیناً منافق (لوگ)
مِنَ النَّارِ: آگ میں سے

لَهُمْ :ان کے لیے
اِلَّا الَّذِيْنَ :سوائے ان کے جنہوں نے
وَاَصْلَحُوْا :اور اصلاح کی
بِاللّٰهِ :اللہ کو
دِيْنَهُمْ :اپنے دین کو
فَاُولٰٓئِكَ:تو وہ لوگ
وَسَوْفَ :اور عنقریب
اللّٰهُ :اللہ
اَجْرًا عَظِيْمًا:ایک شاندار بدلہ
يَفْعَلُ :کرے گا
بِعَذَابِكُمْ :تمہارے عذاب سے
شَكَرْتُمْ :تم شکر کرو
وَكَانَ :اور ہے
شَاكِرًا :بھلائی کا حق ادا کرنے والا

آیات ۱۴۸ تا ۱۵۲

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰۗىِٕكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

ترجمہ:

لَا يُحِبُّ : نہیں پسند کرتا	اللّٰهُ : اللہ
الْجَهْرَ : نمایاں کرنا	بِالسُّوْٓءِ : برائی کو
مِنَ الْقَوْلِ : بات سے	اِلَّا : سوائے اس کے
مَنْ : جس پر	ظُلِمَ : ظلم کیا گیا
وَكَانَ : ہو رہے	اللّٰهُ : اللہ
سَمِيْعًا : سننے والا	عَلِيْمًا : جاننے والا
اِنْ : اگر	تُبْدُوْا : تم نمایاں کرو
خَيْرًا : کسی بھلائی کو	اَوْ : یا
تُخْفُوْهُ : چھپاؤ اس کو	اَوْ : یا
تَعْفُوْا : درگزر کرو	عَنْ سُوْٓءٍ : کسی برائی سے
فَاِنَّ : تو یقیناً	اللّٰهَ : اللہ
كَانَ : ہے	عَفُوًّا : بے انتہا درگزر کرنے والا
قَدِيْرًا : قدرت رکھنے والا	اِنَّ : بے شک
الَّذِيْنَ : جو لوگ	يَكْفُرُوْنَ : انکار کرتے ہیں
بِاللّٰهِ : اللہ کا	وَرُسُلِهٖ : اور اس کے رسولوں کا
وَيُرِيْدُوْنَ : اور چاہتے ہیں	اَنْ : کہ
يُّفَرِّقُوْا : وہ فرق کریں	بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ : اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان
وَيَقُوْلُوْنَ : اور وہ کہتے ہیں کہ	نُؤْمِنُ : ہم ایمان لاتے ہیں

بِبَعْضٍ: کسی پر	وَّنَكْفُرُ :اور انکار کرتے ہیں
بِبَعْضٍ: کسی کا	وَّيُرِيْدُوْنَ :اور چاہتے ہیں
اَنْ : کہ	يَّتَّخِذُوْا :وہ بنائیں
بَيْنَ ذٰلِكَ :اس کے درمیان	سَبِيْلًا :ایک راستہ
اُولٰٓئِكَ :وہ لوگ	هُمُ الْكٰفِرُوْنَ :ہی کافر ہیں
حَقًّا :یقیناً	وَاَعْتَدْنَا:اور ہم نے تیار کیا
لِلْكٰفِرِيْنَ : کافروں کے لیے	عَذَابًا مُّهِيْنًا :ایک رسوا کرنے والا عذاب
وَالَّذِيْنَ :اور جو لوگ	اٰمَنُوْا :ایمان لائے
بِاللّٰهِ:اللہ پر	وَرُسُلِهٖ :اور اس کے رسولوں پر
وَلَمْ يُفَرِّقُوْا :اور انہوں نے فرق نہیں کیا	بَيْنَ اَحَدٍ : کسی ایک کے درمیان
مِّنْهُمْ :ان میں سے	اُولٰٓئِكَ :وہ لوگ ہیں
سَوْفَ :عنقریب	يُؤْتِيْهِمْ :وہ دے گا جن کو
اُجُوْرَهُمْ:ان کے اجر	وَكَانَ اللّٰهُ :اور اللہ ہے
غَفُوْرًا : بے انتہا بخشنے والا	رَّحِيْمًا :ہر حال میں رحم کرنے والا

نوٹ : آیت ۱۴۸ میں ہدایت کی گئی ہے کہ اشخاص کے تعین کے ساتھ برائی کا اظہار صرف مظلوم کے لیے جائز ہے' دوسروں کے لیے اللہ اس کو پسند نہیں فرماتا۔ دوسرے شخص کو اگر کسی برائی کا ذکر کرنا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ عام صیغے میں بات کرے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ عام صیغے میں فرماتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو اس اس طرح کے کام کرتے ہیں۔ (تدبر القرآن)

آیت ۱۴۸ اور ۱۴۰ کا حاصل یہ ہے کہ ظلم کے جواب میں ظلم کرنا جائز نہیں ہے' بلکہ ظلم کا بدلہ انصاف سے ہی لیا جا سکتا ہے اور بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے مگر صبر کرنا اور معاف کر دینا بہتر ہے۔ (معارف القرآن)

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 45 روپے اشاعت عام: 25 روپے

قیامت کے دن کے پانچ اہم سوالات

مدرس: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ :((لَا تَزُوْلُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰی یُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ :عَنْ عُمُرِهٖ فِیْمَ اَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهٖ فِیْمَ اَبْلَاهُ ، وَمَالِهٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَهٗ وَفِیْمَ اَنْفَقَهٗ ، وَمَاذَا عَمِلَ فِیْمَا عَلِمَ)) (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں پیشی کے وقت آدمی کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کر لی جائے: (۱) اس کی پوری زندگی کے بارے میں کہ کن کاموں اور مشغلوں میں اس کو ختم کیا؟ (۲) اس کی جوانی کے بارے میں کہ کن مشغلوں میں بوسیدہ اور پرانا کیا؟ (۳) مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے کن طریقوں اور راستوں سے) حاصل کیا؟ (۴) پھر اس مال کو کہاں (کن کاموں اور کن راہوں میں) خرچ کیا؟ اور (۵) علم کے بارے میں کہ اس پر کتنا عمل کیا؟''

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ہیں جو سابقین الاولین صحابہ کرامؓ میں سے ہیں۔ یہ مکہ کے ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ لہٰذا جب انیس بیس برس کی عمر میں انہوں نے اسلام قبول کیا تو کفارِ مکہ کی طرف سے انہیں شدید سختیاں برداشت کرنا پڑیں۔ یہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ میں اعلانیہ قرآن مجید کی تلاوت کی۔ جنگ بدر میں ابوجہل زخمی ہو کر گرا ہوا تھا تو یہ اس کا سر کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے تھے — آپؓ محدث اور مفسر کے طور پر مشہور تھے۔ لوگ آپؓ سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ آپؓ حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے حضور پیشی کے وقت آدمی کو اپنی جگہ سے ہلنے نہ دیا جائے گا جب تک کہ اس سے پانچ باتیں نہ پوچھ لی جائیں گی۔ پہلی بات یہ پوچھی جائے گی کہ اس نے پوری عمر کن کاموں میں ختم کی؟ پھر خاص طور پر اس کی جوانی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس نے جوانی کے ایام کن مشاغل میں گزارے؟ تیسرا اور چوتھا سوال مال کے بارے میں ہوگا کہ مال کہاں سے اور کن طریقوں سے حاصل کیا اور پھر کن کاموں میں خرچ کیا؟ آخری سوال یہ ہوگا کہ جو کچھ معلوم تھا اس پر کتنا عمل کیا!

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب صفة القیامة والرقائق والورع، باب ما جاء فی شأن الحساب القصاص۔ قال ابوعیسٰی ھذا حدیث غریب۔

موت انسان کے مر مٹنے کا نام نہیں' بلکہ موت کے ذریعے انسان دارالعمل سے دارالجزاء میں منتقل ہو جاتا ہے۔ دارالجزاء کی زندگی کے دو مرحلے ہیں: پہلا مرحلہ عالَم برزخ ہے جبکہ دوسرا دور اس دن سے شروع ہوگا جس دن تمام انسان موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد زندہ کیے جائیں گے۔ اس دن ان سے دنیا کی زندگی میں کیے گئے اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی اور اس کے نتیجہ میں ہر انسان جزا و سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ قیامت قائم ہونے کی خبر قرآن مجید میں بار ہا دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دن بڑا سخت اور ہولناک ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر اس دن کے حالات و واقعات کا ذکر اپنی اُمت سے فرمایا ہے تاکہ آدمی جان لے کہ کس قسم کے اعمال اسے نقصان دیں گے اور کس طرح کے اعمال سے اسے ابدی راحت ملے گی۔

اس حدیث کے ذریعے ہمیں بتا دیا گیا کہ یہ زندگی کیسے گزاری جائے تاکہ قیامت کے روز کامیابی اور سرخروئی حاصل ہو اور ناکامی کا منہ دیکھ کر سزا کا سزاوار نہ ہونا پڑے۔ اگر انسان قیامت کے دن پوچھے جانے والے ان پانچوں سوالوں کو سامنے رکھ کر زندگی گزارے تو اس کا انجام یقیناً اچھا ہوگا۔

پہلا سوال پوری زندگی کے بارے میں ہے کہ اپنے شب و روز کیسے گزارے۔ بچپن لڑکپن کیسے گزرا' شعور کی زندگی شروع ہوئی تو انسان کن مشاغل میں مصروف رہا۔ آیا گناہ کے کاموں میں لگا رہا یا اپنے مقصدِ زندگی کو پا کر اپنے خالق اور مالک کی خوشنودی والے کام کرتا رہا۔ حقوق اللہ (عبادات) اور حقوق العباد کی ادائیگی کو پیش نظر رکھا یا اپنی خواہشاتِ نفسانی کو پورا کرنے میں ہی لگا رہا اور فسق و فجور میں زندگی گزار دی اور کبھی یہ نہ سوچا کہ ایک دن یہ زندگی ختم ہو جائے گی اور یہاں کیے گئے اعمال کے بارے میں مجھ سے باز پرس ہوگی۔

دوسرا سوال جوانی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کن مشاغل میں گزاری۔ اگرچہ جوانی بھی دنیوی زندگی ہی کا حصہ ہے' مگر اس کا سوال بھی خاص طور پر پوچھا جائے گا' کیونکہ یہ زندگی کا وہ دور ہوتا ہے جب انسان کی جسمانی قوت اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ اسے دنیوی سہولتوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کے حصول کے لیے اسے محنت اور کوشش کرنا ہوتی ہے۔ اگر اس نے جوانی بے فکری اور آزادی میں گزار دی' اپنی قوت و صلاحیت سے مثبت فائدہ نہ اٹھایا بلکہ من مانیاں کرتا رہا تو گویا اس نے اپنی جوانی کے قیمتی ایام ضائع کر دیے' حالانکہ یہ ایام تقویٰ اور خدا خوفی کے ساتھ نیکیاں کمانے اور برائیوں سے بچ کر گزارنے کے قابل تھے۔

تیسرا اور چوتھا سوال مال کے بارے میں ہے کہ کس طرح کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ روزی کمانے میں جدّوجُہد ہر شخص کو کرنا ہوتی ہے' چنانچہ اس ضمن میں حدود و قیود کا تعین کر دیا گیا ہے۔ روزی حلال طریقوں سے حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جبکہ حرام ذرائع اختیار کرنے سے روکا گیا ہے۔ جھوٹی قسمیں کھا کر اور جھوٹ بول کر کمایا ہوا مال حرام ہے۔ اسی طرح چوری' ڈاکہ' خیانت اور رشوت کے ذریعے حاصل کی ہوئی دولت مالِ حرام ہے۔ پھر سودی کاروبار کے ذریعے مال کمانا یا سودی کاروبار میں تعاون کر کے دولت حاصل کرنا' یہ بھی حرام ہے۔ ملازم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور طے شدہ شرائط کے مطابق اپنے فرائض منصبی ادا کرے۔ بصورت دیگر اس کی کمائی میں حرام شامل ہو جائے گا اور حرام کمائی کا اثر یہ

ہے کہ اس پیسے کے ساتھ خریدے ہوئے کپڑے میں نماز جیسی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ اس ناجائز کمائی کے ساتھ حج نامقبول ہے۔ اسی طرح اگر حرام کمائی کے ساتھ سحری کا کھانا کھایا اور پھر حرام کے پیسوں سے خریدے ہوئے ماکولات اور مشروبات سے افطاری کی تو یہ روزہ نہ ہوا بلکہ خواہ مخواہ کی بھوک پیاس برداشت کی۔

مال کا معاملہ یہاں تک ہی نہیں بلکہ پوچھا جائے گا کہ جو مال کمایا کہاں خرچ کیا؟ جو مال جائز طریقے سے کمایا اور اللہ کی رضا والے کاموں میں خرچ کیا' اس کے تو کیا کہنے' یہ تو بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔ لیکن اگر جائز طریقے سے کمائے ہوئے مال کو کسی ناجائز اور حرام کام میں خرچ کیا تو اس کی بھی باز پرس ہوگی — حرام ذرائع سے کمایا ہوا مال تو اکثر ناجائز کاموں میں ہی خرچ ہوتا ہے جس کا وبالِ جان ہونا ظاہر ہو رہا ہے' لیکن حرام مال کی نحوست تو اس حد تک ہے کہ وہ نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے تو اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ طیب ہے اور وہ طیب مال ہی قبول کرتا ہے۔ خبیث مال اس کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔

جس طرح روزی کمانا مشکل کام ہے اسی طرح خرچ کرنا بھی آسان نہیں۔ رزقِ حلال کو بھی اگر خواہش نفس کے تحت ناجائز کاموں میں خرچ کیا تو بھی وہ وبالِ جان بنے گا اور اگر جائز کمائی کو نام ونمود کی خاطر بے جا خرچ کیا تو یہ اسراف اور تبذیر میں آئے گا' جبکہ فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بھائی قرار دیا ہے: ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ﴾ (بنی اسراء یل:۲۷) ''بے شک بلاضرورت حد سے زیادہ خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔'' معلوم ہوا کہ خرچ کرنے میں بھی انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ انسان مال کے خرچ کرنے کے سوال میں گرفت سے بچ سکے۔

قیامت کے دن ہونے والا آخری سوال یہ ہوگا کہ حاصل کردہ علم پر عمل کس قدر کیا؟ دین کی سمجھ حاصل کرنا ہر شخص پر فرض ہے۔ حدیث میں ہے: ((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ)) یوں ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ مقصدِ تخلیق کو پائے اور خالق کی پہچان کرے۔ بے علم رہنا خود گناہ ہے کہ ع ''بے علم نتواں خدارا شناخت'' (بے علم شخص اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچان سکتا) — لیکن جب ضروریاتِ دین کا علم حاصل ہو گیا تو اب ان پر عمل کا مرحلہ آتا ہے اور اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔ برائی اور بھلائی کی پہچان ہر شخص کی طبیعت میں ودیعت کر دی گئی ہے' از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝﴾ (الشمس) — مثال کے طور پر ہر شخص جانتا ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق ضرورت مند کی مدد کرنا چاہیے' بھلے کاموں میں دلچسپی لینا چاہیے اور برائی کے کاموں سے دور رہنا چاہیے۔ اسی طرح تمام حقوق العباد کی ادائیگی بھی ہونا چاہیے' اور حقوق اللہ کو فرض جانتے ہوئے نماز روزہ کی پابندی بھی ضروری ہے تاکہ اس آخری سوال کا جواب بھی بن پڑے' اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو قیامت کے دن پہلے ہی مرحلے پر ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھنا پڑے گا' جس کا نتیجہ اللہ کی ناراضگی ہوگا جسے عذاب کہتے ہیں۔ یوں اس حدیث مبارکہ میں زندگی گزارنے کا سلیقہ بھرپور اور جامع انداز میں بتا دیا گیا۔ ہر شخص کے لیے یہ حدیث پوری رہنمائی مہیا کر رہی ہے کہ انسان کو زندگی کس انداز میں گزارنی چاہیے۔

علوم القرآن: مطالعۂ قرآن کا ضابطہ
توسیعی وتجدیدی ضرورت

ڈاکٹر پروفیسر محمد عارف خان ☆

مطالعۂ قرآن کے لیے باقاعدہ اصول وقواعد مرتب شدہ ہیں، انہیں علوم القرآن کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان قواعد واصول کی ترتیب وتشکیل اور توسیع واضافہ کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ ''وقت'' کی مناسبت سے ان قواعد واصولوں کا ارتقاء جب کسی موڑ پر رُک گیا تو مطالعہ قرآن کا منہج ''وقت'' کے نظریات وافکار کی تہذیب واصلاح سے قاصر رہنے لگا، جیسے گزشتہ چند صدیوں سے قرآن کا مطالعہ جدید علمی حقائق کو نظرانداز کر کے جاری رکھا گیا اور امت دنیا کی تیسری قوم بن گئی۔

ضرورت اور اہمیت

قرآن کی صداقت وعظمت میں پہلے فرق آیا نہ آئندہ آئے گا۔ سوال قرآن سے انسان اور انسانیت کے استفادے کا ہے۔ انسان کے قرآن سے اخذ واستنباط اور استفادے کے لیے اصول وضابطے مقرر ہیں، ان میں سے پہلا ضابطہ مسلمان ہونا ہے، جو درجۂ معرفت پر پہنچ کر قرآن کے گہر سے انسان کے استفادے کی صورتیں ڈھونڈ نکالنے کا فریضہ سرانجام دے گا۔ البتہ علمی تلاش وجستجو میں قرآن حکیم سے استفادہ ہر انسان کا حق ہے۔ یہ حق بھی توفیقِ الٰہی سے ممکن ہے۔ علمی تلاش وجستجو کے لیے علوم القرآن کے تحت اصول وقواعد اختیار کیے جاتے ہیں۔ ان سطور میں اس بات کا جائزہ مقصود ہے کہ علوم القرآن میں وقت کی مناسبت سے توسیع وتجدید کی کس حد تک ضرورت ہے اور یہ عمل کیوں ضروری ہے؟ ڈاکٹر محمد رفیع الدین (۱) نے اس جہت پر خصوصی توجہ مرکوز کی ہے اور ضرورت کی نشان دہی کی ہے۔ انہوں نے لکھا:

> ''اس دور میں اسلام سوسائٹی کی زندگی کو بنانے اور ڈھالنے والی ایک قوت کی حیثیت سے بے اثر ہوگیا ہے۔''(۲)

جب کوئی عقیدہ وفکر بے اثر ہو جاتی ہے تو افراد پر کوئی متبادل فکر اثر انداز ہونے لگتی ہے۔ اسلام ہی مسلم معاشرت پر واحد مؤثر قوت نہیں رہی۔ لکھتے ہیں:

> ''اب اسلام ایک ایسی قوت نہیں رہا جو زندگی کے سارے افعال واعمال پر نگران اور حکمران ہو۔''(۳)

عقیدہ وفکر بے اثر ہو جائے تو کیا اُس کی صداقت بھی ختم ہو جاتی ہے؟ یہ اہم سوال ہے۔ صداقتِ ازلی

☆ ڈائریکٹر: میاں محمد بخش پبلک لائبریری میرپور

زمان ومکاں سے ماوراء ہے۔عقائد وافکار زمان ومکاں میں وارد ہوتے ہیں' اثرات مرتب کرتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں۔ یہ اصول وقاعدہ محمد ﷺ' ختمِ نبوّت اور قرآن حکیم پر لاگو نہیں ہوتا۔شعورِ ختم نبوت بھی زمان ومکاں میں آگے بڑھتا ہے' اثرات مرتّب کرتا ہے' مگر مٹتا نہیں' کیونکہ اسے نہ مٹنے کے اصول وضابطہ سے باندھا گیا ہے۔ہاں اثرات کا تعلق انسانی معاشروں سے ہے۔اثرات کسی معاشرے میں کم وبیش ہوسکتے ہیں' بلکہ اثرات مٹ بھی سکتے ہیں' مگر ختمِ نبوت کا شعورِ نبوت نہیں مٹے گا' کیونکہ صداقت ازلی کی تلاش وجستجو کا بنیادی جوہر اسی شعورِ نبوت میں پنہاں ہے اور قرآن اس کا بنیادی جوہر ہے۔اس جوہر میں کمی آئی ہے نہ آئے گی' کمی آئی ہے تو ہماری صلاحیت میں' لیکن یہ صلاحیت بھی کم وبیش ہوتی رہی ہے' اور ہوتی رہے گی۔قرآن سے اخذ واستفادہ کی تازہ صورت کا نقشہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے یوں کھینچا ہے:

''ہم نے علم کو علمِ دین تک اور دین کو قرآن اور حدیث کے الفاظ تک محدود کر دیا' حالانکہ اس وقت جس قدر صحیح اور سچا علم دنیا میں موجود ہے یا آئندہ زمانوں میں انسان کی ذہنی کاوش سے پیدا ہونے والا ہے وہ علمِ دین کے سوا کچھ نہیں۔اس زمانہ میں علوم کی ترقی قرآن کے علم کو بہت آگے لے گئی ہے' لیکن ہم وہیں کے وہیں ہیں' بلکہ قرآن آگے جا رہا ہے اور ہمارا رُخ پیچھے کی طرف ہے۔ہم قرآن کے تازہ علم سے' جو انسان کے قلم کی بدولت صدیوں میں جمع ہو ہو کر اس معیار پر پہنچا ہے' بے اعتنائی برت رہے ہیں' حالانکہ یہ اُسی خدا نے انسان کو دیا ہے جس نے قرآن نازل کیا تھا اور جس نے خود قرآن(۴) میں اس علم کو ایک بخشش اور عنایت کے طور پر یاد کیا ہے۔''(۵)

عقیدہ وفکر بے اثر ہو بھی جائے تو صداقت کی جستجو اور جدوجہد ختم نہیں ہوتی۔انفرادی واجتماعی سعی کا ایک خودکار قسم کا نظام تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔اُمم واقوام بنتی ہیں' مٹتی ہیں' البتہ نصب العین واضح سے واضح تر ہو جاتا ہے۔انسانی شعور کی روز افزوں نمو پذیری اس کا واضح ثبوت ہے۔

مسلم معاشرت کا حرکی جوہر قرآن اور آپ ﷺ سے گہری وابستگی ہے۔یہ حرکی جوہر جب کمزور ہو جاتا ہے تو نقشہ جو بنتا ہے' ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اُسے یوں بیان کیا:

''کوئی بداخلاقی ایسی نہیں جس سے اسلام نے نہ روکا ہو' لیکن کوئی بداخلاقی ایسی نہیں جس کے ہم مرتکب نہ ہو رہے ہوں۔رشوت ستانی' چور بازاری' کنبہ پروری' جتھے بندی' دوست نوازی' جاہ طلبی' غداری' قومی بے حمیتی' اسراف' حرص' منافقت' جھوٹ' عیاشی' آرام طلبی' سہل نگاری' صوبہ پرستی' نسل پرستی غرضیکہ تمام رزائل جو قوم کی جڑ کاٹنے والے ہیں' دوسری قوموں سے بڑھ کے ہم میں موجود ہیں۔اب اسلام سے ہمارا تعلق قریباً قریباً ایک رسمی یا روایتی حیثیت رکھتا ہے' ورنہ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس میں ہم اسلام سے الگ تھلگ نہ ہو چکے ہوں۔''(۶)

حرکی جوہر (قرآن حکیم) سے اخذ واستفادہ کا ضابطہ

مطالعہ وتفکر' اخذ واستنباط اور عمل واطلاق کے قرآنی قواعد وضوابط کا ایک تدریجی وتاریخی ذخیرہ موجود ہے۔اسے اصطلاحِ عام میں ''علوم القرآن'' کہتے ہیں۔یہ قرآن حکیم کے مطالعہ وتفکر' اخذ واستنباط اور عمل واطلاق کا دروازہ ہے۔یہ فنی نوعیت کا ایک ضابطہ کار ہے جو حکماءِ اسلام نے بتدریج مرتب کیا ہے۔اس پر آخری

کام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کا ''الفوز الکبیر'' کی صورت میں ہے۔اس کام کی انفرادیت اور اہمیت پر روشنی ڈالنے سے قبل ''علوم القرآن'' اور اس کی تاریخ پر ایک طاہرانہ نگاہ کی ضرورت ہے۔حدیث مبارکہ ہے:

((اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ)) (۷)

اس حدیث پاک کو ''علوم القرآن'' کی بنیاد و اساس قرار دیا جا سکتا ہے' اگرچہ اس کے معنی و مدّعا کی تعبیر و تشریح میں علمائے سلف میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد محض سات قراءتیں ہیں یا اس کے اندر معنی و جہات بھی مراد ہے۔امام ابن الجوزی (۸) نے اس حدیث سے متعلق بارہ اقوال بیان کیے ہیں۔قولِ اوّل میں وہ ابن مسعود ؓ سے مروی ایک دوسری روایت نقل کرتے ہیں:

((كَانَ الْكِتَابُ الْاَوَّلُ نَزَلَ مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ عَلٰى حَرْفٍ وَاحِدٍ، وَنَزَلَ الْقُرْآنُ مِنْ سَبْعَةِ اَبْوَابٍ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ :زَجْرٌ وَاَمْرٌ وَحَلَالٌ وَحَرَامٌ وَمُحْكَمٌ وَمُتَشَابِهٌ وَاَمْثَالٌ ، فَاَحِلُّوْا حَلَالَهٗ ، وَحَرِّمُوْا حَرَامَهٗ ، وَافْعَلُوْا مَا اُمِرْتُمْ وَانْتَهُوْا عَمَّا نُهِيْتُمْ عَنْهُ ، وَاعْتَبِرُوْا بِاَمْثَالِهٖ ، وَاعْمَلُوْا بِمُحْكَمِهٖ ، وَآمِنُوْا بِمُتَشَابِهِهٖ ، وَقُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا)) (۹)

علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اس حدیث مبارکہ کے معنی و مدعا سے متعلق مختلف اقوال بیان کیے ہیں۔ وہ اسے مشکل ترین حدیثوں میں شمار کرتے ہیں۔ان کے نزدیک لغت میں حروف کے مصداق حروفِ تہجی' کلمہ' معنی اور پہلو سب ہی مراد ہیں' جبکہ سبعہ کے لفظ سے مراد درحقیقت تعداد نہیں بلکہ سہولت اور وسعت مانی گئی ہے۔ (۱۰) ابن الجزری جو قراءت کے مشہور امام ہیں' نے بھی اس حدیث کو مشکل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ تیس سال سے زائد عرصہ اس پر غور کرتے رہے۔ (۱۱) سیوطی نے ابن الجزری کے اس حدیث سے متعلق اقوال پر سیر حاصل بحث کی ہے اور قرار دیا ہے کہ اس حدیث پاک میں سات (سبعة) کے لفظ سے درحقیقت تعداد مراد نہیں ہے بلکہ آسانی' سہولت اور وسعت مانی گئی ہے:

اَنَّه ليس المراد بالسبعة حقيقة العدد بل المراد التيسير والتّسهيل والسّعة 'ولفظ السبعة يطلق على إرادة الكثرة فى الآحاد (۱۲)

الزرقانی نے ''مناہل العرفان فی علوم القرآن'' میں اس حدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بخاری و مسلم کی دوسری احادیث کی روشنی میں اور سلف کے اقوال کی روشنی میں آٹھ نقطہ ہائے نظر بیان کیے ہیں۔ (۱۳) اردو میں مولانا محمد تقی عثمانی نے اس حدیث پر الزرقانی کی مذکورہ بالا کتب کے علاوہ سلف کی بحث کو بیان کرنے کے بعد قرار دیا ہے کہ سات حروف سے مراد اختلافِ قراءت کی سات نوعتیں ہیں اور یہ قول امام مالک' ابن قتیبہ' رازی' ابن الجزری اور باقلانی کا ہے۔ (۱۴) علوم القرآن کے تحت اس حدیث کی اساسی نوعیت اور اس کی فنی تعبیر و تشریح پر سلف نے بحث کی ہے۔سوال یہ ہے کہ مطالعہ قرآن کے ضمن میں یہ حدیث مخصوص و محدود ضابطہ بناتی ہے یا اس میں وسعت پائی جاتی ہے۔مخصوص و محدود نوعیت داخلی و فنی نوعیت ہوتی ہے جبکہ خارجی یا معنوی نوعیت کو ''وقت'' یا انسان کی نمو پذیری کے عمل سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور نہ محدود کیا جا سکتا ہے۔

((فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ)) ''جو تمہارے لیے آسان ہو اُس طریقہ سے مطالعہ کرو''۔اس حدیث پاک

کے اگلے الفاظ بنیادی طور پر دو باتوں کی نشان دہی کرتے ہیں:

(۱) مطالعہ کرو۔

(۲) جس سے تجھے آسانی ہو۔

اقرأ (پڑھنا یا مطالعہ کرنا) تلاوتِ قرآن پاک سے آگے فنی، داخلی اور خارجی مطالعہ مراد ہے اور یہ انسان کی سہولت سے مشروط کیا گیا اور اسی سے آسانی، سہولت اور وسعت کا مفہوم لیا گیا ہے۔

مطالعۂ قرآن کا دروازہ: علومِ قرآن

دورِ حاضر میں علوم جدیدہ، اُن کی شہرت، اُن کی ترقی و اثرات اور اُن کی استدلالی قوت ایک حقیقت ہے، حسّی و عقلی علوم پر انسانی محنت اور پھر ان نتائج کی رو سے انسان کی نمو پذیری کا ایک روشن باب ہے۔ اس جدید شعوری جدّوجُہد میں قرآن حکیم اور رسول اللہ ﷺ کے توسط سے شعورِ انسانی کو جو اختیار و فریضہ ملا اس کا اعتراف مغرب کے ہاں اگر اساسی سطح پر نہیں ہے تو بوجوہ یہ بات شکوہ و شکایت کی نہیں ہے، کیونکہ علومِ جدیدہ کی ترقی اور انسان کی نمو پذیری کا یہ باب الگ سے ہے اور روشن ہے۔ امت کے حکماء کے ذمہ یہ کام نہیں ہے کہ وہ محض علومِ جدیدہ کو تنقید کا نشان بنائیں اور نمو پذیری کے ارتقاء و ترقی سے اپنے آپ کو الگ کر لیں، بلکہ فریضہ یہ ہے کہ حکماءِ اسلام اپنے الہامی و فکری سرمایہ کو دورِ حاضر کے انسان کے لیے فیصلہ کن افادہ کی سطح پر لا سکیں۔

علومِ جدیدہ روایت کش نہیں ہیں اور ماضی کے انسان کی حسی و عقلی محنت اور انسان کی نمو پذیری کا ارتقاء ہے۔ الہامی و فکری سرمایہ کو آج انسان کی نمو پذیری کے نصب العین کے حصول کے لیے بروئے کار لانا وقت کی ضرورت ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن حکیم انسان کا کامل دستورِ عمل ہے۔ اس دستورِ عمل کی دورِ حاضر میں اطلاقی صورت کمزور ہے۔ اس دستور العمل کو قابلِ عمل، جدید معاشرے پر اطلاق پذیر اور نتیجہ خیز بنانا حکماءِ اسلام کا کام ہے۔

علوم القرآن، قرآن سے حسی و عقلی علوم کے استخراج کی راہ میں حقیقتاً رکاوٹ نہیں ہیں، مگر عملی طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکماء و علماء مطالعہ قرآن کا دائرہ وسیع کرنے سے گریزاں ہیں، حالانکہ سلف کے ہاں اسے بہت وسعت ملی۔ امام بدرالدین زرکشی (م ۷۹۴ھ) نے سنتالیس ایسے علوم کا تذکرہ کیا ہے جو مطالعہ قرآن میں مفید و مددگار ہیں[۱۵] اسی کتاب کی بنیاد پر جلال الدین سیوطی نے علوم القران کی ان انواع پر اضافہ کر کے انہیں اسّی (۸۰) قرار دیا اور خیال ظاہر کیا کہ اس تعداد میں تین سو تک اضافہ ممکن ہے۔[۱۶] جبکہ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے ''الفوز الکبیر'' میں علوم القرآن کی نئی تہذیب کی ہے اور جس پر بیسویں صدی کے برصغیر کے مفسّرین نے اپنی تفسیروں میں استفادہ بھی کیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:

☆ علوم القرآن، مطالعہ قرآن کا داخلی و خارجی دروازہ ہے۔ اس دروازہ میں توسیع کے بغیر دورِ جدید میں قرآن کا مطالعہ نتیجہ خیز نہیں ہو رہا۔

☆ دوسرا علوم القرآن کے قواعد و ضوابط میں تبدیلی یا توسیع کا طریقہ کار کیا ہو؟

قرآن حکیم کی لِسانی و فنی تحقیق و تدوین، داخلی معنویت کی جانچ پڑتال اور خارجی حکمت عملی کی اطلاقی صورتِ حال پر رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی کام شروع ہو گیا تھا، اور جب اسلامی تحریک بلادِ عرب سے باہر نکلی

تو مختلف انسانی معاشروں اور تہذیبوں کی اصلاح اور تہذیب کی خاطر مطالعہ قرآن کے نئے قواعد کلیہ روشناس کرانے کی روش ڈالی گئی۔ ان قواعد کلیہ پر مشتمل کتابوں کی فہرست ابن ندیم نے ''الفہرست'' اور جلال الدین سیوطی نے مرتب کی ہے۔[۱۷] جو کتب اشاعت پذیر ہو کر دور جدید میں پہنچی ہیں ان میں ابن الجوزی[۱۸] امام بدرالدین زرکشی[۱۹] جلال الدین سیوطی[۲۰] نمایاں ہیں۔ متاخرین میں عبدالعظیم زرکانی[۲۱] اور ڈاکٹر صبحی صالح[۲۲] شامل ہیں۔ اس کے علاوہ برصغیر میں شاہ ولی اللہ[۲۳] کی کاوش نمایاں ہے۔ علوم القرآن پر کتب کی ایک فہرست ماضی قریب میں بروکلمان اور فواد سیزگین نے مرتب کی جن کی تعداد چھ سو سے زائد ہے۔ یہ فہرست اردو دائرہ معارف اسلامیہ نے شائع کی ہے۔[۲۴]

قرآن حکیم سے اخذ و استنباط کی تاریخ

(۱) حفظ و تحریر: حفظ سے تحریر، مطالعہ قرآن میں وسعت اختیار کیے جانے کی طرف پہلا قدم تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایما پر قرآن کی جمع و تدوین، حفاظت قرآن اور اسے دوسری اقوام تک پہنچانے کا اہم سبب بنا۔[۲۵]

(۲) تفسیر و تاویل: امام زرکشی نے بیان کیا ہے کہ عبارت کے ذیل میں تین باتیں مطلوب ہوتی ہیں:

ا) فهو المقصود والمراد (معنی و مقصود عبارت معلوم کرنا)

ب) التفسير في اللغة (تفسیر میں لفظ کے لغوی یا ظاہری معنی معلوم کرنا)

ج) التاويل فأصله في اللغة من الاول (تاویل میں لفظ سے باطنی معنی کی دلالت)[۲۶]

(۳) تفسیر بالماثور و تفسیر بالرائے: تفسیر بالماثور قرآن کی تفسیر بالروایت ہے، جبکہ تفسیر بالرائے کا وسیع میدان ہے۔ محکمات و متشابہات میں بھی اس کی تقسیم موجود ہے۔ علامہ سیوطی نے عبید بن الحسن سے روایتاً بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ہر حرف کی ایک حد ہے اور ہر حد کا کوئی مطلع بھی ضرور ہے''[۲۷]

علامہ سیوطی نے بعض علماء کے حوالے سے بیان کیا کہ ہر آیت کے ساٹھ ہزار فہم ہیں۔ گویا قرآن معنوں کا ایک سمندر ہے۔[۲۸]

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مطابق اجتہاد تفسیر قرآن میں بھی جاری ہے۔ جو شخص صحیح رائے پر پہنچ جائے گا اُسے دوہرا اجر اور جو خطا کرے گا اسے ایک اجر ملے گا۔ قرآن مجید میں تفکّر، تدبّر اور تعقل کی یہی ترغیب ہے۔[۲۹]

(۴) روایت و درایتِ حدیث: اُمت پر ایک ایسا وقت آیا کہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و سنت کو پانے کے لیے ایک نیا علم اور اس کے لیے اصول و قواعد کو بنانا پڑا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امت ضرورت کے وقت علوم القرآن میں تبدیلی و وسعت لاسکتی ہے۔

بظاہر احادیث کی چھانٹی ایک چونکا دینے والا معاملہ ہے، لیکن موضوع (گھڑی ہوئی جھوٹی) احادیث کی بھرمار نے محدّثین عظام کو ایک ایسے علم کی ایجاد کا راستہ دکھایا جس کی مثال ماقبل و مابعد مشکل سے ڈھونڈی جاسکتی ہے۔ اصولِ علم حدیث، تاریخ علم میں ایک نیا علم و طریقۂ استدلال ہے۔[۳۰]

حدیث علوم القرآن اور فہم القرآن کی فنی و داخلی معنوں کی اساس ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کے مطابق:

حدیث وحی غیر متلو ہے۔

حدیث فہم القرآن کا بنیادی جوہر ہے۔

حدیث اور قرآن کے لفظ آپ ﷺ کی زبان سے ادا ہوئے۔

قرآن بلفظہ وحی ہے اور سنت بالمعنی۔(۳۱)

۵۔ اخذ و استنباطِ احکام: قرآن حکیم سے اخذ و استنباطِ احکام کے ضمن میں بے پناہ ذہنی، قلبی اور علمی وسعت کا مظاہرہ کیا گیا۔ فقہ، احکام اور قانون ایک ہی مطلب لیے ہوئے ہیں۔ فقہ ایک علمی اصطلاح کے طور پر مشہور ہوئی ہے۔ فقہ، قرآن و حدیث کی روشنی میں باقاعدہ اصولوں کے تحت احکام و قوانین کو اخذ و مرتب کرنا ہے۔ یوں پانچ مذاہب فقہ پر امت کا اجماع ہے، لیکن تاریخ کے ایک خاص دور میں اس پر خوب کام ہوا ہے۔ امام غزالی نے قرآن کے بنیادی مآخذ میں سنت، اجماع اور عقل کو بھی بیان کیا ہے۔(۳۲)

(۶) اخذ و استنباطِ فکر: قرآن حکیم سے احکام و قانون کے اخذ و تنظیم میں اُمت نے جس کمال کا مظاہرہ تاریخ کے ایک خاص دور میں کیا وہ حصولِ فکر و نظریہ میں نہ ہو سکا۔ شاید وہ دور نظریاتی نہیں تھا، جبکہ آج نظریہ و افکار کا چیلنج درپیش ہے۔ مطالعہ قرآن کے ضمن میں یہ نظریاتی چیلنج تازہ مطالبہ ہے اور قرآن اس کے لیے کفایت کرتا ہے۔

علوم القرآن کے قواعد کلیہ

الف: علوم القرآن بنیادی طور پر قرآن حکیم سے احکام و فکر کے قواعد و ضوابط ہیں جو وقت کے ساتھ ترتیب پاتے رہے اور آج نئے سرے سے ان کی تجدید و تہذیب کی ضرورت ہے، کیونکہ وقت احکامی مسائل سے فکری و نظریاتی دور کا آ گیا ہے۔ **مجلة الاحکام العدلیه** کے مطابق:

> ''قواعد کلیہ سے واقفیت کے بعد انسان کے لیے روزمرہ زندگی میں شریعت کے نقطہ نظر کو جاننا اور اپنے معاملات پر منطبق کرنا آسان ہو جاتا ہے۔''(۳۳)

ان قواعد و ضوابط کی ایک تاریخ ہے۔

اوّل: امام عزالدین بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ) نے دو قاعدے منفعیت و مضرت(۳۴) ابن السبکی (م ۷۷۱ھ) نے پانچ(۳۵) سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے پانچ(۳۶) اور ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) نے چھ قواعد بیان کیے۔(۳۷)

دوم: وہ قواعد جو مختلف اقسام کے ابواب کے درمیان مشترک ہیں۔ امام کرخی (م ۳۴۰ھ) "رسالة الاصول" زرکشی نے "المنشور فی القواعد" اور سیوطی نے "الأشباه والنظائر" میں اسے بیان کیا ہے۔

سوم: ایک قسم کے مختلف باب میں بعض مشترک قواعد شامل ہوتے ہیں، مثلاً عبادت یا مالی معاملات وغیرہ میں(۳۸)

چہارم: کسی ایک باب سے تعلق رکھنے والے قواعد، ابن السبکی، ابن نجیم اور سیوطی نے مکمل باب باندھے ہیں(۳۹)

ب: شاہ ولی اللہؒ نے فہم قرآن کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے علوم القرآن کی نئے حالات کے مطابق تجدید و

تہذیب کی اور نئے قواعد کی نشاندہی کی۔ ''الفوز الکبیر'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''عنایتِ خداوندی سے امید ہے کہ طالب علموں کے لیے ان قواعد کے فہم کے بعد فہمِ مطالبِ قرآن کی کشادہ راہ مل جائے گی۔''(۴۰)

شاہ ولی اللہؒ کے بعد علوم القرآن کی تجدید وتہذیب کی تا حال باقاعدہ سعی نہیں ہوئی حالانکہ اس دوران دنیا میں تغیرات وتبدیلی بہت تیزی سے ہوئی۔ فہم قرآن کی یہ تحریک ضرور آگے بڑھی اور زیادہ تر مفسّرین نے شاہ ولی اللہ کے کام کو بنیاد بنایا مگر یہ کوشش ایک مقام پر آ کر رک گئی ہے۔ بہت سے مفسرین نے تغیرات وتبدیلی کو تسلیم کیا اور قرآن کا مطالعہ اس وقت کی مناسبت سے کرنے پر زور دیا۔ ان میں سرسید احمد خان (۴۱) مولانا ابوالکلام آزاد (۴۲) مولانا عبدالماجد دریا آبادی (۴۳) علامہ محمد اقبال (۴۴) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (۴۵) مولانا امین احسن اصلاحی (۴۶) پیر کرم شاہ، ڈاکٹر اسرار احمد (۴۷) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی (۴۸) ڈاکٹر محمود احمد غازی (۴۹) اور مولانا محمد تقی عثمانی جیسے نمایاں علماء وحکماء شامل ہیں۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے داخلی (۵۰) اور خارجی (۵۱) اسباب کی نشاندہی کی ہے۔ داخلی سبب قرآن کی تعبیرات کا نتائج سے عاری ہونا ہے (۵۲) اور خارجی سبب نئی دریافتوں کی صورت میں سامنے آنے والی صداقتوں سے روگردانی ہے۔ (۵۳)

قرآن کی حرکی جوہریت اور علمِ جدید کا نظریاتی پہلو

قرآن کی حرکی جوہریت کے احکامی قواعد وضوابط کا اطلاق اور اس کے اثرات تاریخ کا ایک اہم اور درخشاں باب ہے۔ تغیرات وتبدیلی کا موجودہ دور شعورِ انسانی کے کمالات کا غماز ہے، موجودہ تبدیلی اور نمو پذیری کے پس منظر میں نظریاتی وفکری جنگ ہے۔ نظریاتی جنگ کے دوران مذہب کا احکامی پہلو شکست سے دوچار ہوا اور اس کی جگہ نظریاتی وابستگی اور اس کی رو سے زندگی کے مسائل حل کرنے کا پہلو حاوی ہو گیا۔ نظریاتی یا خارجی اثرات کا پہلو علوم القرآن کا حصہ نہیں بنایا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مطالعہ قرآن کا دائرہ قرآن حکیم کے داخلی و احکامی پہلوؤں تک محیط رہا اور نتائج آنے بند ہو گئے۔ علوم القرآن میں توسیع واضافہ کی مجتہدانہ سعی کے بغیر مطالعہ قرآن میں وسعتِ فکر محدود رہتی ہے، جو عصر حاضر کے نظریاتی وعملی مسائل سے الگ تھلگ نظر آتی ہے۔ علمِ جدید اور اس کے اثرات انسانی زندگی کے بہت سے مسائل حل کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں، لیکن نظریاتی دائرے میں جا کر اسی سے بہت سے مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم ان مسائل کے حل کے لیے کفایت کرتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علوم القرآن میں علم جدید کے موضوعات شامل کر کے مطالعہ قرآن کا دائرہ وسیع کیا جائے تا کہ نظریاتی پہلو میں اصلاح وتہذیب کا کام ممکن ہو سکے۔

علم جدید کے موضوعات کو تین حصوں میں بیان کیا جاتا ہے:

(۱) علمیات (۲) فکریات (۳) معاملات

جدید اصطلاح کے تحت علمیات کے تین میدان ہیں:

(ا) طبیعیات: طبیعیات کے میدان میں موجودہ علمی ترقی ''مادہ'' کے اس تصور پر مبنی ہے کہ یہ قدیم ہے، خود بخود ہے اور خود کار ہے، جبکہ قرآن کے مطابق مادہ حتمی وقطعی طور پر خدا کی خالقیت اور ربوبیت کی وجہ سے ہے۔ (۵۴)

حقیقتِ اشیاء کے متعلق مغربی طبیعیات کا موقف ہے کہ صداقت صرف وہی ہے جسے ہم براہ راست اپنے حواسِ خمسہ سے دریافت کر سکتے ہیں۔اس کے علاوہ اشیاء موجود ہی نہیں یا معدوم ہیں۔(۵۵) قرآن محسوسات کو ذریعۂ علم تو تسلیم کرتا ہے، مگر واحد ذریعہ کے طور پر تسلیم نہیں کرتا۔ان دونوں باتوں کا تعلق نظریات سے ہے۔

(ب) حیاتیات: حیاتیات محض زندگی کی سائنس ہے اور زندگی ایک خودکار ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے۔(۵۶) ڈارون کے نظریے کے مطابق ارتقاء نے اس تصور کو سائنسی اور علمی میدان میں نظریاتی طور پر مستحکم بنیادیں فراہم کی ہیں۔(۵۷) قرآن حقیقتِ ارتقاء کو رد نہیں کرتا مگر اسے خودکار ارتقاء بغیر کسی باشعور ہستی کے تسلیم نہیں کرتا ہے اور واضح طور پر ''کُن'' کا تخلیقی عمل باور کرتا ہے۔

(ج) نفسیات: نفسیات کا تعلق انسانی فطرت کے شعوری علم، قوتِ محرکہ، نصب العین اور فعلیت کے عمل سے ہے۔مغرب کا مادی و میکانکی نظریہ وجود، عقل، خمیر، محبت اور عبادت سب کو ایک اتفاق سمجھتا ہے۔(۵۸) میگڈوگل انسان کی قوتِ محرکہ جبلتوں کو قرار دیتا ہے۔(۵۹) فرائیڈ انسان کے لاشعور میں طوفانِ تمنا (جنسی خواہش) قرار دیتا ہے۔(۶۰) جبکہ قرآن کے نزدیک انسانی قوتِ محرکہ اور حقیقتِ فعلیت جذبۂ محبت ہے اور آدرش و نصب العین خدا سے محبت ہے۔(۶۱)

جدید اصطلاح میں ''فکریات'' کو بھی تین بڑے نظریات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

(ا) نظریہ ارتقاء (۶۲)

(ب) نظریہ جبلت (۶۳)

(ج) نظریہ لاشعور (۶۴)

جدید اصطلاح میں ''معاملات'' انفرادی، اجتماعی یا قومی اور بین الاقوامی سطح پر حرکت و فعلیت سے متعلق باور ہوتے ہیں، جو سیاسیات، معاشیات، عمرانیات اور اخلاقیات ہیں:

(ا) سیاسیات: ریاست، وجودِ ریاست اور فریضۂ ریاست کو قومیت، وطنیت اور جمہوریت کے تحت جدید طاقت میسر آئی ہے۔(۶۵) قرآن، قومیت، وطنیت اور جمہوریت کے انسانی آدرش کو نظر انداز نہیں کرتا مگر وہ ان کو انسان کی واحد بنیاد تسلیم نہیں کرتا۔دوسری طرف قرآنی مثال کسی اسلامی ملک میں رائج نہیں ہے۔اس کے برعکس محض تحریری طور پر تاریخی سیاسی عمل کو زیر بحث لایا جاتا ہے، مگر رائج الوقت سیاسی نظاموں کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت ہے۔اس ضمن میں تین معروف سیاسی نظامِ حکومت عمل پذیر ہیں:

(۱) بادشاہی یا شہنشاہی نظام (۲) فوجی آمریت (۳) جمہوریت

(ب) معاشیات: مولانا حنیف ندوی نے بیان کیا:

''جب تمام انسان شرفِ انسانیت میں برابر ہیں، جب سب کی ضرورتیں یکساں احترام کے لائق ہیں، یعنی جب ہر شخص کی ذہنی اور جسمانی توانائیوں کی پرورش کے لیے عمدہ غذا درکار ہے، جب سب کو ایسے صحت مند ٹھکانہ کی ضرورت ہے کہ جس میں وہ زندگی کے دن اطمینان سے گزار سکے، جب اس کی صحت مناسب دوا اور علاج کی سہولتوں سے بہرہ مندی کی طالب ہے اور سب کی روحانی و اخلاقی یا فنی تربیت اس بات کی

مقتضی ہے کہ اس کے لیے بغیر کسی امتیاز کے دانش گاہوں کے دروازے کھلے رہیں' تو پھر یہ کیا اندھیرا ہے کہ ہمارے ہاں ان حقائق سے قطع نظر ایک ہی انسانی معاشرہ دو مختلف خانوں میں بٹا ہوا ہے اور ایک ہی تصویر کے دو متضاد رُخ نمایاں ہیں۔ ایک گروہ کو نہ صرف زندگی کی تمام سہولتیں حاصل ہیں بلکہ وہ تعیش اور تمول کے اس مقام پر فائز ہے کہ جہاں دولت کی فروانی اس کو اخلاق کے حدود سے تجاوز کر کے گناہ و معصیت کی وادیوں میں لا ڈالتی ہے اور دوسرا گروہ نانِ شبینہ تک کا محتاج ہے۔''(۶۶)

اس پس منظر میں چند نظام روبہ عمل ہیں اور قرآن کی کسوٹی پر پرکھے جانے کے روادار ہیں:

(۱) سوشلزم (۲) کمیونزم (۳) اسلام ازم (۴) کیپٹلزم

انہی نظاموں کا نتیجہ ہے کہ آج جہاں کیپٹلزم ہے وہ پہلی دنیا' جہاں سوشلزم و کمیونزم ہے وہ دوسری دنیا اور جہاں اسلام ازم ہے' وہ تیسری دنیا ہے۔ وارثانِ قرآن کے لیے کم از کم یہ نتیجہ حوصلہ افزا نہیں ہے۔

نظامِ زر آج کا نعرہ اور نظریہ ہے۔ انسان کی بہبود اس سے وابستہ ہے۔ کاغذی نوٹ بصورتِ زر' نظامِ بینکاری اور بین الاقوامی لین دین میں ڈالر' پاؤنڈ' یورو اور روپیہ حقائق ہیں۔ ان حقیقتوں کو پیش نظر رکھ کر قرآن سے راہنمائی درکار ہے۔ قرآن سے راہنمائی کا واضح نتیجہ مسلمان کی خوشحالی و آسودگی کی صورت میں نکلنا ہی حجیتِ قرآن ہے۔ یہ خوشحالی و آسودگی تین مرکزی میدانوں یعنی سیاست' معیشت اور معاشرت میں واضح طور پر نظر آئے۔ دنیا کے اکثر ممالک میں خوشحالی و آسودگی کا نتیجہ بہت واضح ہے۔ وہ ایک معیار ہے۔ اس معیار کو پانا اور پھر اُس سے آگے بڑھنا قرآن کا نصب العین ہے۔

(ج) عمرانیات: تعلیم' صحت' انصاف عمرانی زندگی کے بنیادی میدان ہیں۔ ان میں ترقی کسی قوم کی ترقی شمار ہوتی ہے۔ یہ زندگی کے اہم معاملات ہیں۔ دلچسپ بات یہ کہ مسلم دنیا میں یہ تینوں میدان سب سے کم توجہ کے لائق ٹھہرتے ہیں۔ اگر آپ کو تعلیم' صحت اور انصاف آج کے وقت کے مطابق میسر نہیں تو آپ نظریاتی جنگ نہیں لڑ سکتے اور دنیا کی تیسری قوم رہیں گے۔ جہالت کی سب سے بدصورت شکل مسلم ممالک میں ہے' جو سب قرآن پر بطورِ عقیدہ ایک مضبوط ایمان رکھتے ہیں' اور جو اپنا آغاز ہی ''اقرأ'' سے کرتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ علم ہی علم ہے۔

صحت مند انسان کے لیے ۲۴ گھنٹے کا ایک مکمل مینیو نہ صرف قرآن نے دیا بلکہ بتکرار بتایا اور سخت نظم دیا۔ کیسے کھانا' کیسے پینا' کس وقت کھانا' کس وقت پینا' کس وقت سونا اور جاگنا' منہ' دانت' ہاتھ صاف کرنے ہیں۔ عبادات کے اوقات کار اس نظم کی ایک لمبی تفصیل ہے۔ یہ شخصی ضابطہ کار ہے۔ اجتماعی ضابطہ کار معالج گاہیں ہیں۔ دنیا نے اپنی معالج گاہیں شاندار طریقے سے بنائی ہیں اور مسلم دنیا میں زیادہ تر قتل گاہیں ہیں۔ انصاف معاشرے یا قوم کو مٹ جانے سے روکتا ہے۔ مسلم ممالک میں انصاف کو اسلامی قوانین اور جدید مؤثر قوانین میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ قرآن انصاف کو لازم قرار دیتا ہے۔ مقصد انصاف کا حصول ہے۔ یہ کسی قانون و نظام سے پورا ہو جائے' قرآن کا ہی انصاف ہوگا۔ البتہ قرآن نے انصاف کے بنیادی اصول بھی دے رکھے ہیں۔

(د) اخلاقیات: سیاست' معیشت اور معاشرت کو اخلاقی حدود مہیا کرنا معاملاتِ زندگی میں اولین تقاضا ہے'

لیکن یہ بات زیر بحث رہتی ہے کہ کیا ان معاملات کو اخلاقی جواز مہیا کرنا ضروری ہے؟ قرآن انسانی سماج کی بنیاد اخلاق پر اٹھانا باور کرتا ہے۔ قرآن کا یہی وہ نسخہ کیمیا ہے جس کی اہمیت ہم اب نمایاں نہیں کر سکے' مگر آنے والے وقت میں قرآن کا یہ پیغام نمایاں ہو کر رہے گا۔ قرآن معاملات کو حل کرنے کے لیے گو بنیادی راہنما اصول دیتا ہے' لیکن قرآن کا زور اس بات پر ہے کہ انسان اپنے ارتقاءِ تجربہ و مشاہدہ سے معاملات کے حل کے لیے جو کوشش و طریقہ اختیار کرے' انہیں ہر حال اور ہر قیمت پر اخلاقی جواز مہیا کرے۔ معیارِ اخلاق کو سیاسی قربان گاہ پر چڑھا کر معاشی میدان میں من پسند یا ذات پسندی کا موجب بنا دیا گیا' مگر علم کی دنیا میں معیارِ اخلاق خیر اور شر کے گرد ہی گھومتا ہے اور قرآن کا سبق بھی معاملات میں خیر و شر' جائز و ناجائز اور حلال و حرام ہے۔

علمِ جدید کے مؤثر اور نتیجہ خیز نظریات کو علوم القرآن کی فہرست میں شامل کیے جانے کی ضرورت ہے۔ اس وجہ سے قرآن کے مطالعہ کا میدان وسیع ہو کر تمام داخلی معنویت اور خارجی نظریات و اثرات کا احاطہ کرے گا۔ حجیتِ قرآن حرکت' تبدیلی' وقت اور فاصلے سے مشروط ہے۔ علم جدید کے جن نظریاتی موضوعات کی نشاندہی کی گئی ہے یہ سب حرکت' تبدیلی' وقت اور فاصلہ کے مرہونِ منت ہیں۔ ان موضوعات و نظریات کے تحت ایک دنیا نے جو اثرات قبول کر لیے ہیں اور نتائج سامنے لے آئے ہیں' ان سے چشم پوشی مسئلہ کا حل نہیں ہے' امت کا آلۂ شعور و میزان قرآن حکیم اور محمد ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ علم جدید نے مطالعہ قرآن میں سہولت دی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علم جدید کو مطالعہ قرآن کے لازمی موضوعات قرار دیے جائیں۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

> ''کہ یہ اللہ تعالیٰ پر منحصر ہے کہ وہ جسے چاہے' جتنا دے' بتلا دے نصوصِ قرآنی ہی سے اشارۃً یا دلالۃً یا اقتضاءً' یا اقوالِ رسول ﷺ سے صراحتاً' پس سارے کا سارا حق ہے اور متشابہات کے معنی جو کچھ بھی ہوں بہرحال حق ہیں۔''(۶۷)

علامہ اقبال نے تجدد کی اس تحریک سے استفادہ پر زبردست زور دیا اور علماء و حکماء کو بہت حد تک اس طرف توجہ پر مائل کیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ:

☆ گزشتہ پانچ صدیوں سے اُمت مسلمہ زوال و جمود کی کیفیت میں ہے۔
☆ اس دوران یورپ نے اُن مسائل پر غور و فکر جاری رکھا جو کبھی مسلم علماء و حکماء کے زیر غور تھے۔
☆ یورپ علمی و عملی امامت کے قابل ہوا تو عالم اسلام نے تیزی سے اُس طرف بڑھنا شروع کر دیا۔
☆ یہ وہ وقت ہے کہ جس میں انسانی فکر اور تجربے کی دنیا میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو چکی ہے۔
☆ فضیلت کا ایک نیا احساس اور نئے نئے نقطہ ہائے نظر پیدا ہو رہے ہیں۔
☆ عقلِ انسانی زمان و مکان اور علّیت ایسے بنیادی معقولات و مندرجات کی دنیا سے بھی آگے نکل جائے گی۔
☆ اور یہ کہ انسانی علم و ادراک اور سمجھ بوجھ کے متعلق بھی ہمارے تصورات بدل رہے ہیں۔
☆ قرآن مجید کی روح کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں نے متعدد جدید علوم کی بنا ڈالی۔
☆ ذاتِ خدا تعالیٰ کی الہامی و روحانی جستجو کو درست قرار دے کر اختیار و مشاہدے کی روح کو بیدار کیا۔
☆ قرآن مجید کے نزدیک کائنات میں ایک عظیم مقصد کام کر رہا ہے جو ہمیں نئے نئے سانچوں میں ڈھلنے پر آمادہ

کرتا ہے۔

☆ گویا قرآن مجید نے ہمیں تغیّر وتبدیلی ایسی زبردست حقیقت کی طرف متوجہ کیا۔ (۶۸)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا موقف ہے کہ:

''اب جبکہ وہ نبی ﷺ جن پر قرآن نازل ہوا تھا' ہم میں نہیں ہیں اور دوبارہ ہم میں نہیں آسکتے' بدلتے ہوئے حالات کے اندر خدا اور رسولؐ کے منشا اور قرآن کے مطلب اور مدعا کو معلوم کرنے اور فہمِ قرآن کے بارے میں اپنے اختلافات کو مٹانے کا ایک ذریعہ قدرت نے ہمارے لیے موجود رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم قرآن کو حکمیاتی انداز سے سمجھنے لگیں اور علم کی ترقیات کی بدولت ایسا ضرور ہو کر رہے گا۔''

دوسری جگہ لکھا:

''میرے خیال میں قرآن کا یہی عقلی یا حکمیاتی علم ہے جو اب اسلام کے لیے تمام قسم کی ترقیوں کا دروازہ کھول سکتا ہے۔ جب تک قرآن کا یہ حکمیاتی علم آشکارا نہیں ہوگا ہم حکمت مغرب کے چیلنج کا جواب نہیں دے سکیں گے۔'' (۶۹)

وقت آ گیا ہے کہ علم جدید اور اس کے اثرات کو ایک حقیقت کے طور پر لیا جائے۔ حکماءِ اسلام حقیقت کا مطالعہ کریں۔ علم جدید کتنا نصب العینی ہے اور اُس کے اثرات منفی کس قدر ہیں؟ ان دونوں باتوں کو ہی قرآن کی کسوٹی پر لانے کی ضرورت ہے۔ قرآن ایک معیار و میزان ہے۔ اس معیار و میزان کو انسان کی بہتری کے لیے برقرار رکھنے کا فریضہ امت کے حکماء پر ہے۔

مطالعہ قرآن کی تین جہتیں نمایاں صورت رکھتی ہیں:

(۱) داخلی معنویت قرآن (۲) نظریاتی مناقشہ اور عصر جدید (۳) خارجی اثرات اور علم جدید

(۱) داخلی معنویت اور قرآن

قرآن حکیم کے الفاظ کی داخلی یا لغوی معنی و مفہوم کی تحقیق و جستجو اولین جہت ہے اور اس جہت پر اُمت کے علماء و حکماء کا کام صدیوں کی محنت و ریاضت پر پھیلا ہوا ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ قرآن کے لفظوں کی حفاظت کا ذمہ تو خدا تعالیٰ نے خود لے رکھا ہے' الفاظ کے داخلی معنوں کی حفاظت بھی اُمت کے علماء و حکماء کے ذریعے ممکن بنادی ہے۔ یہ محنت جاری ہے۔ قرآن کے ان علوم کو اصطلاحاً ''علوم القرآن'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ امدادی علوم کے طور پر بتدریج مرتب ہوئے۔ امام بدرالدین زرکشی نے سینتالیس اور امام جلال الدین سیوطی نے اضافہ کرتے ہوئے ان کی تعداد اسّی (۸۰) بیان کی اور اس اضافے کی مزید نشاندہی کی۔ اسّی (۸۰) علوم القرآن کا تذکرہ اکثر کتب میں ملتا ہے' جبکہ ''الاتقان'' عربی اور اردو میں موجود ہے۔

(۲) نظریاتی کشمکش اور عصرِ جدید

گزشتہ چند صدیاں نظریاتی کشمکش اور مناقشہ کی صدیاں ہیں۔ نظریات کی اس جنگ میں ہر قوم اور ہر انسان نے حصہ لیا ہے۔ سرد جنگ کے بعد اس میں وقتی کمی آئی۔ کمیونزم و سوشلزم کو کیپٹلزم کے ہاتھوں شکست ہوئی'

مگر یہ نظریاتی جنگ اب نئے روپ میں سامنے آچکی ہے۔اب یہ کشمکش اور مناقشہ کیپٹلزم اور اسلام ازم کے درمیان برپا ہے۔گزشتہ صدیوں میں اسلام ازم دفاع پر رہا بلکہ کیپٹلزم کی حمایت پر آمادہ بھی نظر آیا۔اب صورتِ حال تبدیل ہوچکی ہے۔اسلام ازم کے علمبردار مسلمان ہیں۔محمد رسول اللہ ﷺ اُن کے رہبر اور قرآن اُن کا دستور العمل ہے۔قرآن سے نظریاتی کشمکش میں سرخروئی کے لیے ہدایت درکار ہے۔قرآن سے اخذ واستنباط کا تازہ زاویۂ نگاہ اور جدید جہت وانداز کی ضرورت ہے۔متکلم قرآن ہوکر ہی جدید مؤثر نظریات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھ سکتے ہیں۔متکلمِ قرآن کو جدید نظریات اور جدید علوم سے براہ راست آگاہی کے بعد ہی مطالعہ قرآن سے اخذ واستنباط کے عمل کو نتیجہ خیز بنانا ہے۔نظریات کی جنگ قرآن سے جیتی جائے گی۔درج ذیل نظریات کو قرآن کے تحت مطالعہ کی غرض سے انہیں ضابطہ قرآن برائے مطالعہ ''علوم القرآن'' کا حصہ بنا دینے کی تجویز علماء وحکماء کے ہاں پیش خدمت ہے۔یہ نظریات ہیں۔اُمت کی نظریاتی سطح پر آگے بڑھنا ہوگا۔

نظریاتی علوم کو ''علوم القرآن'' کے اصول وضوابط میں بطور قاعدہ کلیہ شامل کریں۔نظریاتی علوم کو قرآنی نظریہ کی کسوٹی پر پرکھیں۔منفی حصہ کی نشاندہی کریں تاکہ ان نظریات نے جو اُمہ پر اثر ڈالا ہے اس کا ازالہ کیا جاسکے۔اسّی (۸۰) علوم القرآن کی فہرست میں مزید اضافہ سے قرآن کی تفہیم کا دائرہ وسیع ہوگا۔

کیپٹلزم (Capitalism): سرمایہ داری نظام' اس کا مرکزی محور سرمایہ کاری ہے اور اس سرمایہ کاری سے منافع حاصل کرنا ہے' اس کا آغاز اٹھارہویں صدی عیسوی میں برطانیہ سے ہوا جو ایک صنعتی ملک کا درجہ اختیار کر رہا تھا۔انیسویں صدی عیسوی تک کیپٹلزم باقاعدہ ایک نظریہ بن گیا اور سیاسی نظام اس کی گرفت میں آکر اس نئی اصطلاح (کیپٹلزم) کا نعم البدل بن گیا اور سیاسی اصطلاح کے تحت سرمایہ داری نظام بن گیا۔اس نظام (کیپٹلزم) کے صحیح وغلط نتائج اور اُس کے مسلم تمدن پر اثرات کے مثبت تجزیہ کے لیے قرآنی فکر بطور آلہ ومعیار ہے۔اس کے لیے اصول یہ ہے کہ ''کیپٹلزم'' کے عنوان کو ''علوم القرآن'' کا ایک قاعدہ کلیہ قرار دے دیا جائے تاکہ مسلم ذہن موجودہ وقت کے مؤثر نظریات سے لاتعلقی رکھ کر قرآن سے اخذ واستنباط نہ کرے' بلکہ جدید انسان کو جدید قرآنی فکر سے آگاہ رکھنے کے لیے جدید نظریات کو مدنظر رکھے۔

سوشلزم (Socialism): سیاسی لحاظ سے یہ اصطلاح کیپٹلزم کے مخالف پیدا ہوئی۔نظریاتی مناقشہ صحیح معنوں میں سوشلزم اور کیپٹلزم کے درمیان پیدا ہوا۔کیپٹلزم میں مدار دولت ومنافع کا کاروبار ہے' سوشلزم کا مدار انسانی نمود یا خودعیاں (self evident) ہے۔بقول مائکل نیومین سوشلزم کی اعلیٰ سطح پر بنیاد رکھی گئی اور نچلی سطح پر منظم ہوا۔سوشلزم نے ریاستی نظام کے طور پر ایک سے زائد شکلیں اختیار کیں جو ساری کی ساری کیپٹلزم کے خلاف تھیں۔سوشلزم کو ماننے والے سوشلسٹ کہلائے۔اُن کا خیال ہے کہ انسانی شعور کی تنظیم سے دنیا میں تبدیلیاں لانا ممکن ہے۔اس فہم نے مسلم ممالک کے اعلیٰ ذہین افراد کو متاثر کیا' لیکن یہ ذہین افراد اسلامی فکر کے حوالے سے کوئی قابل قبول ہم آہنگی کی فکر پیدا نہ کرسکے۔اسلامیانِ دنیا کا بنیادی اصول محمد مصطفےٰ ﷺ اور قرآن پر مدار کرنا ہے۔بنیادی اصول وہی رہے گا۔اسی کی بنیاد پر دنیا کے تمام نظاموں کی چھان پھٹک درکار ہے۔اس لیے

یہ مناسب حکمت عملی ہوگی کہ سوشلزم اور دوسرے نظریات کو علوم القرآن کا حصہ بنا دیا جائے تا کہ ان سیاسی ومعاشی نظریات کو قرآن کی فکر کے تحت براہ راست زیر بحث لایا جائے نہ کہ انہیں قرآنی فکر سے غیر سمجھ کر منتشر انداز میں بحث کر کے وقت ضائع کیا جائے۔

کمیونزم (Communism): کمیونزم کا نظریہ کارل مارکس اور اینجلز نے دیا۔ سوشلزم میں بھی کارل مارکس کی پیروی ہوتی ہے۔ مارکس اور اینجلز نے مل کر کمیونسٹ منشور (Communist Manifesto) ترتیب دیا' مروّجہ معاشی وسماجی خامیوں کی نشاندہی کی اور اپنے اصولوں پر دنیا کو چلانے کا نظریہ دیا' جس کے بنیادی اصولوں میں تاریخ کی مادی تعبیر' طبقاتی کشمکش' نظریہ قدرِ زائد' انقلاب کا ناگزیر ہونا' غیر طبقاتی سماج اور محنت کشوں کی حکومت شامل ہے۔ بنیادی طور پر یہ معاشی اور سماجی نظریہ ہے۔ قرآن کا اپنا معاشی اور سماجی نظریہ ہے۔ کمیونزم ایک محدود دائرے میں عوام کی معاشی وسماجی بہتری کے لیے نظریہ اجاگر کرتا ہے۔ اُس کے مقابلے میں قرآنی نظریہ غیر محدود حد تک عوام کی معاشی وسماجی بہتری کے ساتھ زندگی کے دوسرے پہلوؤں اور ضرورتوں کے لیے بھی ہدایت وراہنمائی فراہم کرتا ہے۔ قرآن نظریاتی بنیادوں پر کسی بھی نظریہ کی چھان پھٹک سے گریز نہیں کرتا ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے ''کمیونسٹ مینی فیسٹو'' کے خلاف ''مینی فیسٹو آف اسلام''(۷۰) تحریر کی ہے۔ اسے ''علوم القرآن'' کے تحت لایا جاسکتا ہے۔

سیکولرزم (Secularism): یہ اصطلاح عیسائی مذہب کے کلیسائی حکمرانی کے پس منظر میں سامنے آئی۔ مذہبی اجارہ داری' مذہبی استحصال اور جابرانہ حکمرانی کے توڑ کے لیے نظریاتی حل تلاش کیا گیا۔ کلیسائی مذہب موت سے ڈرا کر حکمرانی کو خدائی بنا دیتا تھا۔ سیکولر نظریہ میں آخرت کے بجائے موجودہ زندگی کو مرکز توجہ بنایا گیا۔ عوام کی بہبود اور ضروریات پر توجہ مبذول کی گئی۔ یہ ایک حکمت عملی تھی جو بنائی گئی' اس پر عمل پیرا ہوا گیا۔ اس کے عوام کے حق میں نتائج بھی آئے۔ ایک نئی دنیا آباد کر دی گئی۔ ترقی کی بلندیوں کی چھوا جا رہا ہے' لیکن مذہب عیسائی تو چھوڑا نہیں گیا۔ گرجا گھر بھی موجود ہیں' عبادت بھی ہوتی ہے۔ ہاں صرف وہ پہلے کی طرح کلیسائی گرفت ختم ہو چکی ہے۔ قرآن حکیم سے بظاہر اس کا نظریاتی ٹکراؤ نہیں ہے' کیونکہ یہ حکمت عملی کلیسا کے خلاف تھی۔ مگر ان ممالک نے ترقی کی تو اپنے آپ کو عیسائی ویہودی جان کر مسلم ممالک کو زیر کر لیا اور سیکولرزم کے مغربی ماڈل کو مسلم ممالک میں روشناس کرا دیا اور گہرے اثرات مرتب کیے۔ مسلمانوں کی بہبود اور ضروریات کے لیے قرآن کی روشنی میں حکمت عملی مرتب کرنا وارثانِ قرآن کا کام ہے' اور یہ کام ان نظریات کے اصول وقواعد کا قرآن کے تحت چھان پھٹک سے ہے۔ اس کے لیے انہیں ''علوم القرآن'' کے تحت لانا ہوگا۔

عوامی ازم (جمہوریت): نظریاتی جنگ میں شامل مذکورہ نظریات کی ترقی وترویج کے لیے اسے جو ریاستی چھتری اور نظام ملا اُسے جمہوریت(۷۱) یعنی عوامی ازم کا نام دیا گیا ہے۔ اسلام ازم کے علاوہ تینوں نظریات معیشت وکاروبار کو بنیاد بناتے ہیں۔ اس کاروبار اور منافع کے حصول کے لیے عوام کو شامل کیا گیا۔ عوام نے باہمی مشاورت کے نظام کو تنظیم دی اور رائے کا احترام کیا' اس عمل کو جمہوریت کا نام دیا گیا۔ اسلام ازم میں اس عمل کو ناپسندیدہ باور کیا گیا' جو درست عمل نہ تھا' دوسری جانب مسلم ریاستوں کی سطح پر اس کا کمزور تجربہ کیا گیا۔

نصب العین کا تعین پہلی شرط ہے اور ہم نصب العین کا تعین کرنے کی صلاحیت سے عاری ہو گئے ہیں۔ اس لیے نتیجہ نہیں آ سکا۔ اسلام ازم بطور نظریہ عوامی ازم (جمہوریت) کا پُر جوش داعی ہے۔ مسلم سیاسی نظام کی اصطلاح ''خلافت'' خالصتاً عوامی ازم کی عکاسی رہی ہے۔ علوم القرآن کا حصہ بننے کے بعد عوامی ازم کے تناظر میں جموریت اور خلافت بھی زیر بحث آئیں گی اور عصرِ حاضر کے مسلمانوں کو بیدار کرنے اور معاشی لحاظ سے فیصلہ کرنے میں لائحہ عمل میسر آئے گا۔

آفاقی ازم (گلوبل ازم): دنیا نے انسانی تجربات و مشاہدات اور تدبیر و بصیرت کی بنا پر علاقائیت و محدودیت سے آفاقیت و عالمگیریت (۴۷) کا نظریہ اپنا لیا ہے۔ بطور نظریہ یہ انسانیت کا نصب العین ہے۔ بطور عمل چند بڑی قوتوں کا کاروباری و منافع پسندی کا منصوبہ ہو سکتا ہے' لیکن دنیا کے آگے بڑھنے کے لیے نظریہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور کسی مختصر محرک کی بھی۔ قرآن نے ''يَاأَيُّهَاالنَّاسُ'' کے الفاظ سے بار بار آفاقی انسانوں کو متوجہ کیا اور آفاقی نظریہ دیا' جب کہ ''يَاأَيُّهَاالَّذِينَ اٰمَنُوا'' کی یہ ذمہ داری لگائی کہ قرآن کے آفاقی نظریہ کا اطلاق وفاق پر کریں۔ انسانیت کے نظریہ کو طاقت ور محرک بنانا وارثانِ قرآن اور حکماءِ نظریۂ انسانیت کی ذمہ داری ہے۔ کاروباری و منافع پسندی کا عمل بذاتِ خود غلط نظریہ نہیں' لیکن ''نظریۂ استحصال'' انسانیت کے نظریہ کی خدمت نہیں ہے۔ انسانیت کا نظریہ گلوبل ازم کے مضبوط محرک بننے سے انسانیت کو آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرے گا۔ گلوبل ازم کی یہ تحریک پرانی نہیں ہے' لیکن وارثانِ قرآن حسبِ سابق اس تازہ عمل سے بے نیاز ہیں' جیسے ان کا کردار ختم ہو چکا ہے۔ گلوبل ازم کو علوم القرآن کا قاعدہ قرار دینے سے کم از کم حاملِ فکرِ قرآن اس عمل میں شریک ہونے سے گریز تو نہیں کریں گے اور اپنا کچھ کردار ادا کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

اسلام ازم: متحارب نظریات کے اس مناقشہ میں اسلام ازم بطور نظریہ شامل رہا ہے۔ کیپٹلزم کی پشت پناہی یورپ جبکہ سوشلزم و کمیونزم کے علمبردار روس و دوسری دنیا کے ممالک تھے' اور اسلام ازم کی پشت پناہی مسلم ممالک کی سطح پر کمزور ہونے کے باوجود اصولی موقف کو پذیرائی ملتی رہی ہے۔ آج اسلام ازم نظریاتی لحاظ سے ایک مضبوط نظریے کے طور پر اُبھرا ہے۔ یہ ایک بڑی پیش رفت ہے۔ کیپٹلزم کے پیچھے تین سپر پاورز اور سوشلزم و کمیونزم کے پیچھے دو سپر پاورز موجود تھیں۔ یہ نظریات مضبوط وسائل کے مالک تھے مگر بڑی طاقتوں کی پشت پناہی اور بے پناہ وسائل کے باوجود یہ نظریات اسلام ازم پر بطور نظریہ حاوی نہیں ہو سکے اور آج اسلام ازم کا نظریہ کمزور ریاستوں کے باوجود ایک اُمید کے طور پر انسانیت کا منشور بننے جا رہا ہے۔ مطالعہ قرآن کو مزید انسان نواز بنانے کے لیے بطور نظریہ اسلام ازم کو علوم القرآن کا حصہ بنانا مفید رہے گا۔

(۳) خارجی اثرات اور علمِ جدید

خارجی اثرات ایک ایسی حقیقت ہے جسے بر وقت تسلیم نہ کرنے سے قومیں باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتی ہیں۔ انسانی تمدن کی نمو میں عقیدہ یا نصب العین بنیادی محرک ہوتا ہے۔ دنیا کا نظام دنیا کی جغرافیائی حدود میں مختلف انسانوں کے رہن سہن سے وجود میں آتا ہے۔ مختلف خطوں میں انسان اپنے عقیدہ یا نصب العین کے تحت نمو پذیر ہوتے ہیں۔ جب وہ دوسرے انسانوں سے ملاپ کرتے ہیں تو رہنے کا الگ الگ

انداز جو سامنے آتا ہے اُسے تمدن کہا جاتا ہے۔ تمدن کا لفظ علمی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ وقت کی رفتار کے ساتھ انسان کے رہن سہن میں جہاں ترقی ہوئی ہے وہاں مختلف خطوں میں بسنے والے انسانوں کے زیادہ ملاپ کی سہولتیں بھی پیدا ہوگئی ہیں۔ ملاپ کے اس عمل میں انسان نے ایک دوسرے کو متاثر کرنا شروع کیا۔ اس میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ ایک خطے کے تمدن' ایک عقیدہ کے لوگوں' ایک مذہب کے پیروکاروں یا ایک نصب العین سے محبت کرنے والوں نے دوسروں پر زیادہ اثرات مرتب کیے۔ ہر ایک فریق نے ایک دوسرے پر اثرات مرتب کیے ہیں۔ انہی کو یہاں ''خارجی اثرات'' کہا گیا ہے۔ مثال کے طور پر قرآنی فکر نے دنیا کے ہر تمدن پر مثبت اثرات مرتب کیے مگر اُمہ پر بھی اثرات مرتب ہوئے۔ منفی و مثبت اثرات کی بحث کا شاید یہاں موقع نہیں ہے' لیکن وہی علم و فکر اور تہذیب و تمدن اثر ڈالتا ہے جس میں سچ کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ یہ امرِ واقع ہے کہ قرآن سچ ہی سچ ہے۔

خارجی ترقی و اثرات کے نمایاں نظریات کی قرآن حکیم کی روشنی میں چھان پھٹک ایک ضروری عمل ہوگا' لیکن کسی نظریہ پر حتمی تنقیح و تنقید درست انداز نہ ہوگا۔ قرآن حتمی و قطعی ہے مگر انسانی علوم و افکار اقدام و خطا کے انداز میں آگے بڑھتے ہیں اور اس عمل سے گزر کر خود انسان ہی حتمی و قطعی علوم و افکار کو پالیتا ہے۔ میل جول کی وسیع سہولتوں نے انسان کو ایک آفاقی یا عالمگیر دنیا کا انسان بنا دیا ہے۔ ہر مذہب' ہر نظریہ اور ہر نصب العین کا آخری مقصود حضرت انسان کی شعوری ترقی و نمو ہے۔ جو جتنا سچا ہوگا اور سچ پر مضبوط ہوگا آگے بڑھے گا۔ انسانی قافلہ رکنے والا نہیں ہے۔ اُمہ پر جو خارجی اثرات مرتب ہو چکے ہیں وہ حقیقت ہے۔ قوموں کی دوڑ میں اُمہ گزشتہ کئی صدیوں سے پیچھے ہے۔ قرآن کی معجزہ نما صورت اور محمد مصطفےٰ ﷺ سے عقیدت و محبت مسلمانوں میں ایک عظیم الشان حقیقت ہے۔ اسے حکمت عملی سے نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ حکمت عملی ''علوم القرآن'' میں خارجی اثرات کے حامل افکار و نظریات کو حصہ بنا کر زیر بحث لانا ہے۔ اس موقف کی روشنی میں ''علوم القرآن'' کے تحت شمار کیے جانے والے افکار میں اضافہ کی تجویز ہے۔ یہ تجاویز علامہ محمد اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے خصوصی حوالے سے ہیں۔ یہ تجاویز احقر کے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں بھی زیر بحث آئی ہیں۔ یقیناً علامہ اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے مطالعہ قرآن کا جدید علوم و افکار سے ناطہ جوڑے رکھنے کی ترغیب دلائی ہے لیکن ''علوم القرآن'' کی اصطلاح کہیں استعمال نہیں کی۔ احقر کے نزدیک اُن کے افکار کو نظم دینے کے لیے کسی نئے قاعدہ کی ضرورت ہے یا قرآن کے سابقہ قاعدوں میں وسعت درکار ہے۔ تاریخی تسلسل اور علوم القرآن کے علمی ارتقاء کی روشنی میں یہ مناسب اقدام ہوگا کہ اس تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے علوم القرآن کے قاعدوں میں جدید افکار کو شامل کر کے مطالعہ قرآن کے میدان کو مزید وسیع کریں اور خارجی اثرات کے حامل نظریات کی تہذیب و اصلاح کریں اور اُمہ کو بین الاقوامی طاقت و رحیثیت سے آگے بڑھنے کا فکری و عملی سامان مہیا کریں۔ ذیل کی چند معروضات اور ''علوم القرآن'' کے مزید قاعدوں کی نشاندہی اس بات کی غماز ہیں۔ اس ضمن میں قرآن حکیم کی درج ذیل آیت انتہائی توجہ کی حامل ہے:

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ

عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿۵۳﴾ (حم السجدۃ)

''ہم عنقریب اُن کو اپنی نشانیاں (اسی) دنیا میں دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ اُن پر کھل کر رہے گا کہ یہ قرآن حق ہے۔ کیا آپ کے پروردگار کا یہ وصف کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے!''(۷۳)

یہ آیت دنیا اور نفسِ انسانی میں تغیر و تبدیلی کے ایک عالمگیر مگر حرکت پذیر اصول کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس تغیّر کے حرکت پذیر عالمگیر اصولوں کا اطلاق آفاق و انفس پر ہوتا ہے۔ علمِ جدید کی اصطلاحوں میں آفاق و انفس سے مراد طبیعیات' حیاتیات اور نفسیات ہیں۔ طبیعیات' حیاتیات اور نفسیات کے علوم میں جو ترقی ہوئی ہے اور جو دریافتیں ہونا باقی ہیں' وہ سب قرآن کا لفظی نہیں تو معنوی حصہ ضرور ہیں اور ہوں گی۔ یہ دریافتیں دراصل قرآن حکیم کی تعبیر و تشریح میں معاون ہیں اور قرآن حکیم کے الفاظ و معنی کی حقیقت پر شاہد ہیں۔ علم لوحِ محفوظ سے نازل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کے اندر علم کا خزانہ ہے۔ یہ علم وقت کے ساتھ نمودار ہو کر قرآن حکیم کے سچا علم ہونے پر دلیل بنتا جا رہا ہے۔ قرآن حکیم کے اندر ایک معنوی سمندر موجود ہے جو لامتناعی ہے۔ جیسے سورۃ الکہف' آیت ۱۰۹ میں سمندر کی مثال دی گئی ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا موقف یہ ہے کہ:

''انفس و آفاق میں نمودار ہونے والی آیات (نشانیاں) بظاہر قرآن سے باہر ہوں گی لیکن اس کے باوجود وہ قرآن کی تشریح اس طرح کریں گی کہ قرآن کی صداقت پر شبہ ناممکن ہو جائے گا۔''(۷۴)

میرے تحقیقی مقالہ کا خصوصی حوالہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین ہیں۔ اُن کے پورے لٹریچر میں علوم القرآن کا موضوع تو درکنار یہاں تک کہ لفظ علوم القرآن بھی استعمال نہیں ہوا' جبکہ اُن کا سارا زورِ قلم قرآن کے مطالعاتی افادے کے لیے علم جدید سے اخذ و استنباط اور ہم آہنگی پر ہے۔ قرآن اور علم جدید میں مطابقت کی علمی سعی اور ہم آہنگی کی کوشش باقاعدہ ایک تاریخ رکھتی ہے۔ اس کا آغاز فلسفہ یونان کی مسلم دنیا میں آمد اور پذیرائی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ قرآنی علوم کو دلیل کی عوامی و علمی راہ پر ڈالنے کی کوشش فلسفہ یونان کے پس منظر میں سامنے آئی۔ اس کے دو اسباب تھے:

(ا) قرآن حکیم کی متعدد آیات مشاہدۂ فطرت' تجرباتِ زندگی اور عقلی تدبر و تفکر پر زور دیتی تھیں۔ گویا قرآن کی منشا کو مدنظر رکھا گیا۔ سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۵۱ اور ۲۶۹ بطورِ مثال ہیں۔

(ب) فلسفہ یونان کو قرآن حکیم کی کسوٹی پر پرکھنے کی مضبوط روش قائم ہوئی۔ اس کام میں اسلامی فکر کے بڑے بڑے حکماء مثلاً الفارابی' ابن سینا' ابن ماجہ' ابن رشد' الغزالی اور متعدد شامل ہیں۔ اسی روش کو علامہ محمد اقبال کی اقتدا میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے آگے بڑھایا ہے اور عصر حاضر کے مغربی سائنسی نظریہ کو لیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''علم کے جس شعبہ کو ہم سائنس کہتے ہیں اس کا دوسرا نام علم کائنات ہے' جس میں انسان کا علم بھی شامل ہے۔ سائنسی علوم کی کلید کائنات کے قدرتی حالات و واقعات یا دوسرے لفظوں میں مظاہرِ قدرت کا مشاہدہ ہے۔''(۷۵)

مطالعہ قرآن کے پس منظر میں علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین کا سارا زور اس دعوت پر ہے کہ مشاہدۂ

فطرت و تجرباتِ زندگی اور پھر ان پر عقلی غور وفکر کا منظم علم قرآن سے غیر نہیں ہے' مگر وہ اس کے طریق کار کو زیر بحث نہیں لائے۔ اُن امور کی نشاندہی نہیں کی کہ کن قواعد وضوابط کے تحت مطالعہ قرآن اور علم جدید کو ہم آہنگ کیا جائے یا مطابقت پیدا کی جائے یا قرآن کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ البتہ محمد رفیع الدین نے بہت تفصیل کے ساتھ قرآن اور علم جدید میں مطابقت پر بحث کی ہے۔ مجھے یہ سعادت حاصل ہوئی کہ میں نے اُن کے افکار کو اپنے تجربات ومشاہدات اور غور وفکر کا محور بنایا۔ مجھے از حد مسرّت حاصل ہوئی ہے کہ اُن کے افکار کو کھنگالنے یا تحقیق وتجزیہ کے بعد وہ کلید دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا ہوں جو شاید اُن کی تمنا تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین' علامہ اقبال کی فکر کے مستند شارح ہیں اور اس بات کا اظہار انہوں نے جابجا اپنی تحریروں میں کیا ہے' جبکہ علامہ اقبال کے علماء ومحققین اُن کو علامہ کا معنوی شاگرد قرار دے چکے ہیں' اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ مجھے محمد رفیع الدین کا معنوی شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل ہوا ہے' ایک اور واسطے سے بھی مجھے علامہ اقبال سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا ہے اور وہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نقشبندی تھے۔ مجھے براہِ راست اُن سے کسبِ فیض حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا اور اُن کو علامہ اقبال کا براہِ راست شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

وہ کلید' جو راقم کے غور وفکر کا نتیجہ ہے اور جو یہاں علماء وحکماء کے لیے دعوتِ فکر ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کے مطالعہ' قرآن کی تفسیر' قرآن کی آیات پر تدبر اور قرآن سے فکری اخذ واستنباط کے لیے گزشتہ چودہ صدیوں سے ایک ضابطہ مقرر ہے' قواعد وضوابط مرتب شدہ ہیں۔ انہیں قرآنی فکر کے پس منظر میں ''علوم القرآن'' کہتے ہیں۔ ظاہر ہے یہاں میرا مطلب علم یا فکر قرآن نہیں ہے بلکہ وہ مقرر شدہ ضابطے ہیں جنہیں اصطلاحاً ''علوم القرآن'' کہتے ہیں۔ یعنی ان ضابطوں اور قاعدوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کا مطالعہ وتفسیر اور تدبر روا رکھا گیا ہے اور روا رکھا جارہا ہے۔ تغیر زمان کی مناسبت سے ان قاعدوں اور ضابطوں میں توسیع درکار ہے۔ یہ میرا موقف ہے۔

یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ مطالعہ قرآن کے ضمن میں قواعد وضوابط یک بارگی مرتب نہیں ہوئے بلکہ جوں جوں مسلمانوں کا پھیلاؤ ہوتا گیا تو اُن علاقوں کے علمی ذخیرے' تمدنی روابط اور تہذیبی نوعیت کے مطابق ان میں اضافہ ہوتا رہا' اور یہ اضافہ گزشتہ صدی میں ہندوستان کے مسلمانوں کے اندر جنم لینے والی تحریکِ قرآن کے تحت بھی سامنے آیا' جبکہ اس خصوصی علم کی مناسبت سے شاہ ولی اللہ کی ''الفوز الکبیر'' کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ غالباً یہ آخری منظم کوشش تھی۔

راقم الحروف کی علماء وحکماء کے لیے دعوتِ فکر یہ ہے کہ ''علوم القرآن'' میں ''وقت'' کی مناسبت سے اضافہ وتبدیلی ہوتی رہی ہے جس کا مقصد ومنشأ ہمیشہ قرآنی فکر کا اخذ وحصول رہا ہے۔ آج کا دور علمی طور پر زیادہ منظم اور تیز رفتار ہو چکا ہے۔ اثرات تیزی سے مرتب ہوتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔ علوم القرآن میں انفرادی مگر خاموش اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ہر مفسر مطالعہ قرآن کے سمندر سے نئی بات ضرور سامنے لاتا ہے' بلکہ ہر مفسّر کسی خاص علمی یا فکری پہلو کو مدنظر رکھ کر تفسیر کرتا ہے تاکہ قرآنی فکر مزید اجاگر ہو۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء وحکماء کی ایک جماعت اس کام پر مامور ہو اور ''وقت وزمانہ'' کی رفتار کے مطابق علوم القرآن پر نظر رکھے تاکہ قرآن کا عام قاری تذبذب کے بجائے اطمینان سے مطالعہ قرآن

کرے۔ مطالعہ قرآن کے مقاصد کو مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

(ا) شعورِ انسانی کی نمو

(ب) شعورِ نبوت کا ارتقاء

(ج) شعورِ حقیقی کا ادراک

اسی طرح علم جدید کے مقاصد کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

(ا) علمِ طبیعیات میں انسانی ترقی

(ب) علمِ حیاتیات میں انسانی ترقی

(ج) علمِ نفسیات میں انسانی کمال

ہم اگر مقاصد قرآنی اور مقاصد علمِ جدید کا تقابلی مطالعہ کریں تو صورت یہ بنتی ہے کہ قرآن کے مقاصد میں اول و آخر ایک حقیقی نصب العین کا حصول ہے۔ اس کے لیے ابتدائی اور آخری کردار حضرت انسان کو مؤثر بنانے کا واحد ذریعہ علم ہے اور شعورِ نبوت کی ابتدا' ارتقا اور اختتام محض حضرت انسان کو علم اور شعور سے بہرہ ور کرنا تھا تاکہ وہ شعورِ حقیقی کی معرفت حاصل کر سکے۔ اسے مذہبی نظریہ بھی کہا جاسکتا ہے اور اسلام کا بھی یہی نظریہ ہے۔

دوسری طرف علم جدید کا بھی ابتدائی اور آخری کردار حضرت انسان ہے۔ انسان نے جو ماضی سے سیکھا' اُس کو ترقی و وسعت دی۔ علم طبیعیات' علم حیاتیات اور علم نفسیات میں انسان کی سوجھ بوجھ میں اضافہ خدا سے بغاوت نہیں بلکہ کائنات میں غور و فکر کرنے کا کم از کم قرآنی حکم واضح ہے اور دوسرے مذاہب کو اس پر اعتراض نہیں ہے۔ یہ تمام علوم شعورِ انسانی کی ترقی و نمو کا حصہ ہیں اور قرآن کے مقاصد کے خلاف نہیں' بلکہ انسانی تجربات و مشاہدات کی غلطیوں اور پھر درستگیوں کا عمل ہے۔

علم جدید کے تمام نمایاں اور مؤثر نظریات علم جدید کے مقاصد ہیں۔ یہ علوم بالکل نئے نہیں ہیں' تاریخ میں کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی سطح پر موجود رہے ہیں۔ گزشتہ چند صدیوں میں ان کی تہذیب جدید ہوئی۔ انسان نے عالیشان ترقی کی۔ اسلامی تاریخ میں بھی یہ علوم زیر بحث رہے ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان علوم کی بنیادیں مسلمانوں نے قرآنی پس منظر میں رکھیں اور آج کے انسان نے ان علوم کی نمو کو سائنسی استدلال دے کر تہذیبِ جدید کی بنیاد ڈالی اور انسانوں کے لیے زیادہ مفید بنانے کی کامیاب کوشش کی۔ البتہ وقت کے ساتھ علوم کا ارتقاء ایک بدیہی امر ہے۔ اس لیے یہ ارتقا آئندہ بھی جاری رہے گا۔ جس طرح گزشتہ صدیوں میں کئی علوم کو علوم القرآن کے قواعد و ضوابط کا حصہ بنایا گیا اور بطور قواعد و ضوابط وہ علوم القرآن کا آج بھی حصہ ہیں مگر ضروری نہیں ہے کہ وہ آج بھی پہلے کی طرح قابلِ استعمال یا قابلِ بحث ہوں۔

علم جدید کی رو سے دنیا بحیثیت مجموعی دور حاضر میں تیزی سے آگے بڑھی ہے' لیکن گزشتہ چند صدیوں میں اُمت کا کردار نمایاں نہیں رہا ہے۔ اس کا بنیادی سبب علم جدید سے غیریت اور مخاصمت ہے۔ منظر یہ سامنے آیا کہ علم جدید کو کفر کے کھاتے میں ڈال دیا گیا اور ''وقت'' کے ''مسلمان'' آگے بڑھنے کے لیے درکار فکر' عمل اور یقین کو قرآنی علوم سے راہنمائی و تقویت دینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس تفاوت نے قرآنی علم پر یقین کو زائل

کیا اور اس موقف کو تقویت ملنے لگی کہ علم جدید اب دنیا اور انسان کے تمام چیلنجز اور مسائل کو حل کرنے کی استعداد حاصل کر بیٹھا ہے۔

زوال و شکست آمادگی کے باوجود اُمت کا قرآن اور شارحِ قرآن ﷺ پر یقین برقرار رہا ہے۔ یہ یقین وہ دولت و قوت ہے جو اُمت کا سرمایہ ہے اور جو مستقبل قریب میں انسان کو آگے بڑھنے کی تازہ اُمنگ مہیا کرے گی۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے علم جدید کے غالب اور مؤثر نظریات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور گراں قدر نکات و افکار سامنے لائے ہیں۔ دورانِ مطالعہ و تحقیق یہ بات سامنے آئی ہے کہ علوم القرآن اور علوم الانسان کی اصطلاحوں کو اختیار کر کے اگر علم جدید کو زیر بحث لایا جائے تو محمد رفیع الدین کے کام کو ایک نئی جہت بھی دستیاب ہو جائے گی اور علم جدید کے حوالے سے جو تحفظات مدتِ مدید سے اُمت کے اذہان میں جاگزیں ہو چکے ہیں' اس منفی رجحان کو کم یا ختم کیا جا سکے گا۔

یہ امر طے شدہ ہے کہ علم جدید قطعی باطل ہے اور نہ قطعی مثبت۔ یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کہ علم جدید مذہبی بغاوت کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ علوم چاہے مذہبی متصور ہوں یا غیر مذہبی' بنیادی طور پر انسانی کردار و بصیرت ہی کے ذریعے زبان و اظہار پاتے ہیں۔ اس لیے اُمت کے عروج و زوال کی منزلوں سے گزرتے ہوئے جو علوم و افکار آج کے انسان تک پہنچے ہیں' یقیناً قرآن و حدیث سے بھی ماخوذ ہیں' لیکن اخذ و استنباط کا اختیار تو اُمت کے بڑے انسانوں کے پاس ہی رہا ہے۔ انسانی سماج کی ترقی اور اُس کے آگے بڑھنے کی رہنمائی کے باوصف ہر صدی دو صدی بعد قرآن اور اُس کے علوم کی تعبیر و تشریح وقت کی ضرورتوں کے مطابق ہوتی رہی ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے بیان کیا ہے کہ نبوت کے علاوہ بھی انسان کو ایک ایسا راہ نما دیا گیا ہے جو مستقل طور پر انسان کے پاس رہتا ہے اور یہ انسان کی فطرت کا وہ جذبہ حسن ہے جو اپنے اظہار و اطمینان کے کمال کو پہنچ کر ایک زندہ و متکلم قرآن کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ متکلمِ قرآن جیسے انسانی کردار کی عدم موجودگی میں علوم القرآن کو داخلی معنوں تک محدود کر دیا گیا۔ قرآن سے اخذ و استنباط متکلمِ قرآن کی حیثیت اختیار کرنے والا انسان (مؤمن) کرتا ہے اور ان کا اطلاق انسان اور اُس کے سماج پر ہوتا ہے اور مثبت اور خوف و غم سے پاک نتائج ہی کسوٹی ہوتے ہیں۔

علوم الانسان' انسان کی بصیرت کا غماز' فکر کا حاصل' عمل کا تجرباتی طریقہ کار اور پھر مثبت و منفی نتائج کی کسوٹی ہوتے ہیں۔ علم وحی و القاء' اقدام و خطا اور عمل و نتائج کا ایک مسلسل ارتقاء علم انسانی ہے۔ انسان وحی سے اخذ و استنباط میں غلطی کرتا ہے تو دوسرا متکلم قرآن اُس کو رفع کرتا ہے۔ تجربہ و عمل میں بھی انسان ہی درست سمت کا تعین کرتا ہے' اور اگر غلطی کرتا ہے تو اگلے موڑ پر انسان ہی اُس غلطی کو درست کرتا ہے' کیونکہ انسانی فطرت زیادہ دیر غلطی پر کاربند نہیں رہ سکتی۔

علومِ انسانی کو منشائے خداوندی کے خلاف باور نہیں کیا جا سکتا۔ علوم انسانی میں کسی خاص وقت کا انسانی عمل غلط ہو کر ایک تجربہ کا موجب بنتا ہے تو یہ تجربہ ہی انسان کو حق کی طرف لے جاتا ہے۔ مسلم ادب میں علوم القرآن بھی انسان (مؤمن) کے اخذ و استنباط کی قوتِ فکر کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ انسان ہی اُن پر عمل پیرا ہو کر تجربے

سے گزرتے ہیں اور ایک سماج میں اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ مذکورہ اخذ شدہ فکر صدیوں نتائج دے۔ جب وہ نتائج دینا بند کر دیتی ہے تو اُس وقت کے بطن سے دوسرے کئی متکلمِ قرآن جنم لیتے ہیں اور یوں یہ سلسلہ رُکتا نہیں۔ اُمت میں یہ سلسلہ رکا اور نتائج آنے بند ہو گئے تو اب پھر متکلمِ قرآن کی ضرورت ہے۔

قرآن وحی الٰہی ہے۔ یہ وحی سلسلہ نبوت کے آخری پیغمبر محمد مصطفےٰ ﷺ کے ذریعے انسان تک پہنچی۔ کئی صدیوں کا سفر قرآنی وحی اور خاتم النبیین ﷺ کی حقانیت، عظمت اور مقام کو جھٹلا نہیں پایا ہے اور نہ امکان وخطا کی کوئی دلیل لا سکا ہے۔ وحی و رسول ﷺ سے خطا کا گمان ممکن نہیں ہے۔ وحی وشارحِ وحی ﷺ سے علوم کے اخذ واستنباط کا سلسلہ علماء وحکماء کے ذریعے آگے بڑھتا ہے تو خطا کا امکان ممکن ہے۔ وحی وشارحِ وحی ﷺ کے اقدام میں خطا نہیں، خطا کا امکان تب ہوتا ہے جب یہ انسانی اخذ واستنباط اور تجربہ وعمل کے دائرے میں آجاتے ہیں۔ علوم القرآن اور علوم الانسان کی درمیانی کڑی اِنسانی کردار اور اُس کے بصیرت کو نظر انداز کرنے سے دونوں میں مطابقت کے بجائے تفاوت نظر آنے لگا ہے۔ مسلم ادب میں علوم القرآن میں انسانی اخذ واستنباط کی استعداد پوری طرح استعمال ہونے کے باوجود اسے بطور اصول تسلیم کرنے میں لیت ولعل سے کام لیا جاتا ہے، جبکہ دوسری طرف علم جدید میں مذہبی وتاریخی علوم کی روایت سے اخذ واستنباط کے باوجود اُسے محض محسوسات کا نتیجہ قرار دے کر مذہبی وتاریخی روایت کو تسلیم کرنے سے اجتناب برتا جاتا ہے۔ یوں علوم القرآن اور علوم الانسان کے درمیان امتیاز وتفاوت کی لکیر کو طول دیا جاتا ہے۔ سابقہ انبیاء کی شریعتوں کا حاصل ہو یا علوم القرآن ہوں، ان کو انسان کی زبان واظہار بن کر علوم الانسان بننا ہوتا ہے۔ اس عمل سے انسان منظم فکر پاتا ہے اور عملی مظاہر سے وحی کے منشا کو آگے بڑھاتا ہے۔ محمد رفیع الدین نے اس بات کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

> ''علمِ صداقت کا القا ایک قسم کی وحی ہے۔ پیغمبر کی وحی اور غیر معمولی ذہانت کے انسان کی وحی دونوں ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ ممد ومعاون ہیں، کیونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے، یعنی ابدی سچائیوں کی تلاش۔''(۷۶)

بیان کردہ حقائق ونظائر کی روشنی میں محمد رفیع الدین کا موقف یہ ابھرتا ہوا سامنے آتا ہے کہ مطالعہ قرآن کے اصول وضوابط میں تبدیلی لانے کی ضرورت آن پڑی ہے۔ ''وقت'' کے مؤثر اور غالب نظریات کا محاکمہ کیے بغیر قرآن کی تعبیر وتشریح مؤثر نہیں ہو سکتی اور جدید نظریات پر عمل سے جنم لینے والے ترقی وتوانائی کے مسلم وغیر مسلم معاشرے پر اثرات کو پیش نظر رکھے بغیر مطالعہ قرآن انسانی مسائل حل کرنے میں مفید نہیں ہو پا رہا۔ اس لیے مطالعہ قرآن کے لیے نئی جہتوں پر غور وفکر کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں علم جدید کے چند غالب ومؤثر نظریات کو زیر بحث لایا گیا ہے جو کہ علمیات میں مسلّمات کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ علمیات میں مسلّمات ''وقت'' کی زبان واسلوب ہوتی ہیں اس لیے مطالعہ قرآن ''وقت'' کی زبان واسلوب میں مطلوب ہے۔

راقم الحروف نے بطور تجویز مزید سولہ ایسے ضابطے تجویز کیے ہیں جنہیں ڈاکٹر محمد رفیع الدین اپنے انداز سے زیر بحث لائے ہیں۔ یہ سارے علم جدید کے نظریات نہیں بلکہ ان میں کئی ایسے نکات ہیں جن کی مطالعہ قرآن کے لیے تہذیب جدید درکار ہے۔ مگر میرے نزدیک ان سولہ نکات کو ''علوم القرآن'' کے قواعد کا حصہ بنا دیا جائے تو

مطالعہ قرآن کے دوران علم جدید اور عصر حاضر قاری کے مدنظر رہ سکیں گے اور اخذ ہونے والی فکرِ قرآن جدید انسان کے لیے زیادہ مؤثر ثابت ہوگی اور یہی قرآن کا منشا ہے۔ یہی آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا قرآنی راستہ ہے۔

ارتقاء: ڈارون کا نظریہ ارتقاء حیاتیات کے میدان سے علمیات میں اپنی مسلمیت منوا چکا ہے۔ حیاتیات میں اس نظریے پر تنقید زیادہ رہی ہے اور اس کی تہذیب واصلاح کا بھی ایک ارتقاء ہوا ہے۔ محمد رفیع الدین نے سببِ ارتقاء ونتائجِ ارتقاء کو قرآنی دلائل سے مسترد کیا ہے' حقیقت ارتقاء کے عمومی علمی تصور کو قرآن سے متضاد قرار نہیں دیا ہے۔ البتہ علوم الانسان کے ناطے نظریہ ارتقاء کی خود انسانوں نے بتدریج تہذیب واصلاح کی ہے۔ تہذیب واصلاح کا یہ سلسلہ رکا نہیں ہے۔ مطالعہ قرآن کو ''وقت'' کے علمی منہاج کی سطح پر لانے میں مضائقہ نہیں ہے اور نظریہ ارتقاء کو علوم القرآن کے تحت لانے سے علم القرآن کی جہاں ایک نئی جہت سامنے آئے گی وہاں نظریہ ارتقاء کی قرآنی نقطہ نگاہ سے تہذیب واصلاح بھی ہو جائے گی اور یوں قرآن ''وقت'' کے انسان کے علمی منہاج کی ہدایت وراہنمائی کا موجب بن جائے گا۔

جبلّت: جبلت کسی خاص سمت میں عمل کرنے کا ایک فطری حیاتیاتی دباؤ ہے جس کا سامان قدرت نے جسم ودماغ کی مادی ساخت میں رکھا ہے۔ جبلت افعالِ حیوانی اور اعمالِ انسان کی کامل قوتِ محرکہ ہے اور سب حرکات وسکناتِ حیوانی وانسانی اس کے ماتحت ہیں۔ بنیادی طور پر یہ حیوان وانسان کی عضویاتی حرکات وافعال کا سائنسی تجزیہ ہے۔ قرآن میں فطرت کا لفظ استعمال ہوا ہے جو انسان کے لیے مخصوص ہے۔ محمد رفیع الدین نے میگڈوگل کے نظریہ جبلت کو ایک مؤثر وجدید علمی انکشاف کے طور پر لیا ہے اور یہ باور کرایا ہے کہ مسلم ادب میں فطرت وجبلت یکسی قدر مختلف معنوں میں زیر بحث رہے ہیں۔ میکڈوگل نے چودہ جبلّتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ دوسرا اُس کے نزدیک حیوان اور انسان کی جبلتوں میں فرق نہیں ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین حیوان اور انسان کی سب جبلتوں کو ایک قرار نہیں دیتے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ جبلّتیں انسان وحیوان میں موجود ہیں مگر اس سے اتفاق نہیں کرتے کہ ان کا عمل ایک جیسا ہے۔ یہ جبلّتیں انسان میں مختلف انداز سے کام کرتی ہیں۔ دوسرا اُن کا اس سے بھی اتفاق نہیں کہ محض جبلّتیں ہی قوتِ محرکہ ہیں۔ ان چودہ جبلّتوں کو حیوانی وانسانی حیاتیاتی بدن کے محرکات قرار دیا گیا ہے۔ یہ سائنسی تحقیق ہے' اس میں کمی بیشی ممکن ہے۔ سوال یہ ہے کہ قوتِ محرکہ محض ان جبلتوں کو قرار دینے سے حیات کا مادی تصور سچ ثابت ہوتا ہے جب کہ کائنات کا مادی تصور آہستہ آہستہ دم توڑ رہا ہے۔ حیوان جبلّتوں کے تحت افعال پر مجبور ہے مگر یہ بات انسان پر لاگو نہیں ہوتی۔ انسان کے اندر ایک فطرتی تڑپ وتجسّس موجود ہے جسے محمد رفیع الدین آدرش یا نصب العین کہتے ہیں۔ یہ آدرش یا نصب العین خدا کے حسن کا بے پناہ جذبہ ہے جو بہرحال مادی نہیں ہے۔

لاشعور: حیاتیات کے میدان میں حیوان وانسان کی فعلیت سے متعلق سائنسی تحقیق میں فرائیڈ نے ''لاشعور'' کی دریافت کی۔ شعور' لاشعور اور فوق الشعور کے تحت انسانی دماغ کی فعالیت کی درجہ بندی کی ہے۔ قرآن حکیم میں فطرت اور نفس کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو انسانی فعالیت کے پس پردہ حیاتیاتی وروحانی عمل کو بیان کرتے ہیں۔ محمد رفیع الدین قرآن حکیم کے پس منظر میں ان سائنسی اصطلاحات یا درجہ بندی کو متعارض قرار نہیں دیتے

ہیں۔فرائیڈ لاشعور کو تمام انسانی اعمال کا منبع قرار دیتا ہے اور یہ کہ لاشعور میں جنسیت کے محرک کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔فرائیڈ کا یہ موقف قابلِ اعتراض رہا ہے کہ انسانی شعور کی فعلیت محض لاشعور سے جنسیت کا پیغام ہے۔ انسان کے اندر جنسی جذبے سے قرآن کو انکار نہیں' بلکہ قرآن نے جنسی جذبے کی سلیقہ بندی پر بہت زور دیا ہے اور متعدد آیات وارد ہوئی ہیں' لیکن یہ درست نہیں کہ سارے اعمالِ انسانی کی قوتِ محرکہ جنسی جذبہ ہے۔یہ ایک محرک کے طور پر تسلیم ہوتا ہے' مگر صرف یہی ایک محرک قرار دینا قابل اعتراض ٹھہرتا ہے۔قرآن کے نزدیک یہ دراصل خدا کو پانے کے لیے جذبہ عبادت ہے جو انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے۔جنسی جذبے کا نسل انسانی کے آگے بڑھنے اور تحفظ سے متعلق ہے' اور یہ درست ہے کہ نسلی تحفظ کا جذبہ فطری ہے مگر آگے بڑھنے اور تحفظ نسل کا جذبہ بذاتِ خود مقصد نہیں ہوسکتا۔مقصد کے حصول کے یہ ذرائع ہیں' بذاتِ خود مقصد نہیں ہے۔شعور و لاشعور کی سائنسی بحث قرآن حکیم کی تعبیر و تشریح کے ذیل میں علمی منہاج کے طور پر بیان کی جاسکتی ہے۔

وطنیت: نکولو مکیاولی کی کتاب ''پرنس'' نے مغرب کے ریاستی ڈھانچے' حکمرانی کے انداز اور سیاسی فکر پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔علاقائی و نسلی و لسانی جنگوں کے دوران لکھی جانے والی اس کتاب نے علاقائی' نسلی و لسانی ریاستوں کو جواز یت بخشی۔مغرب کے بعد ساری دنیا میں یہ روش عام ہوئی۔یہاں تک کہ اُمت اپنی عظمت اور اتحاد کے نشان ''خلافت'' سے محروم ہوگئی۔مغرب نے بلاشک وشبہ نئے ریاستی ڈھانچوں' اندازِ حکمرانی اور سیاسی فکر (جمہوریت) کے بل بوتے پر انسان کو مادی ترقی کے نصف النہار پر پہنچا دیا۔محمد رفیع الدین نے جمہوریت کے ثمرات میں سے انسان کے محدود تصور کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ انسان کا آدرش جب محدود علاقوں' محدود نسلوں اور محدود زبانوں کی حدود میں مقید ہو جاتا ہے تو اس سے دوسرے انسانوں کے خلاف نفرت' بغض اور عناد پروان چڑھتا ہے۔قرآن سب انسانوں کے ایک خدا کی بنیاد پر رہ کر بھائی چارہ اور محبت کی فکر دیتا ہے۔اس لیے ریاستی' حکومتی اور سیاسی امور میں قرآن کے بنیادی اصولوں کی بنیاد پر انسان ساز و انسان دوست فکر کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔مغرب ریاستی امور میں عوامی شرکت کا جمہوری تصور اپنانے کی راہ پر ہے۔مسلم دنیا ریاستی' حکومتی اور سیاسی میدان میں خلافت کے بعد اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے۔ قرآن ریاستی امور میں نصب العین کے تعین اور اُس کے حصول کے لیے انسان ساز اور انسان دوست فکر اور لائحہ عمل رکھتا ہے۔اس فکر و لائحہ عمل کو عصر حاضر کے انسان کی سمجھ کی سطح پر لانا ہی قرآن کی کامیاب تعبیر و تشریح ہوگی۔

فلسفہ: فلسفہ علمی میدان میں انسانی عقل و وجدان کا نام ہے جو وحی' مظاہر اور تجربات کے نتائج سے مرتب ہوتا چلا آرہا ہے۔دوسرے لفظوں میں فلسفہ ایک منظم علم ہے۔علوم القرآن اور علوم الانسان کی الگ الگ توضیح کا مقصد محض یہ ہے کہ وحی و صحیفہ جات سے انسان نے اپنی عقل و وجدان سے علم کی صورت میں جو سمجھا' جو اخذ کیا' جیسے تدوین و ترتیب سے گزرا' وہ علوم الانسان میں شمار ہوتا ہے تاکہ انسانی خطا و درستگی کا عمل وحی و صحیفہ جات سے الگ رہے۔اسی عمل کے نتائج کو فلسفہ کہا جاتا ہے۔اصطلاحاً فلسفہ کسی نہ کسی صورت میں نزولِ قرآن سے پہلے موجود تھا۔اس کا قدیم مسکن یونان شمار ہوتا ہے۔وحی کی آمد اور آپ ﷺ کی موجودگی میں عربوں کی زندگی کو نئے نصب العین سے آشنا کرنے اور اُس پر کاربند ہونے کے لیے ابتداءً عقل و فلسفہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی' اور جب

آپ ﷺ دنیا میں نہ رہے اور مسلمانوں کو اپنی عقل وبصیرت کے استعمال کی ضرورت محسوس ہوئی تو فلسفۂ یونان بلادِ عرب میں داخل ہو کر تذبذب کا باعث بن رہا تھا۔ مسلمانوں کا اس سے رویہ مخاصمانہ طور پر سامنے آیا اور یہ روایت دورِ جدید تک آ پہنچی ہے۔ دورِ جدید میں علم کی ترقی نے اسرارِ کائنات وانسان کے کئی نئے دریچے کھول دیے ہیں' اور اُمت کے علماء وحکماء نے اس عہد میں بیٹھ کر مطالعہ قرآن شروع کیا تو قرآن نے علم جدید کی موجودہ ترقی کے واضح اشارے بیان کر رکھے ہیں۔ علم ترقی کر کے فلسفہ کی تنظیم حاصل کرتا ہے تو قرآن کے خلاف نہیں جاتا۔ قرآن' قرآن ہے' فلسفہ' فلسفہ ہے۔ فلسفہ ایک علمی ارتقاء حاصل کر کے تنظیمی صورت اختیار کرتا ہے۔ یوں یہ علوم الانسان کی ایک منظم شکل کا روپ دھارتا ہے۔

سائنس: قرآن' سائنس کے متضاد ہے۔ یہ تصور اُمت کے دورِ زوال میں ترقی کر گیا اور اُمت سائنسی سرگرمیوں سے لاتعلق ہوگئی' البتہ سائنسی ایجادات کے استعمال سے لاتعلق نہ رہ سکی اور عجیب مزاحمتی کشمکش نے جنم لیا۔ تضاد کا یہ تصور عیسائیت و یہودیت کا سائنس کے خلاف جدوجہد سے مستعار ہے۔ قرآن اور شارحِ قرآن محمد ﷺ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام کا مقصود انسان کو بلند سے بلند تر سطح پر لے جانا ہے۔ قرآن کسی علمی سرگرمی سے نہیں روکتا' کیونکہ ہر علمی سرگرمی کے مثبت نتائج قرآن کا لفظی یا معنوی حصہ ہوں گے۔ محمد رفیع الدین نے قرآن اور سائنس کے درمیان تضاد کے تصور کو درست قرار نہیں دیا اور دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ موجودہ سائنسی ایجادات کس طرح قرآن کا تشریحی مواد ہے۔ سائنسی علم کی بنیاد تجربے ومشاہدے پر ہے اور یہ تجربہ ومشاہدہ حواسِ خمسہ پر ہے۔ یوں یہ قرآن کے ایک جزوی علم کا حصہ ہے۔ سائنس کے تین عناصر ہیں: حسی علم' فلسفہ اور انسان۔ علم کا منبع لوحِ محفوظ ہے' اس لیے سارا سچا علم قرآنی ہے۔ جو علم انسان کے لیے مفید نہیں ہے وہ قرآنی علم نہیں ہے اور اس غیر مفید علم کی پہچان بالآخر انسان ہی اپنی عقل وبصیرت اور تجربے ومشاہدے سے حاصل کرے گا۔

علم الکلام: علم الکلام مسلم ادب کی ایک مستعمل اصطلاح ہے۔ بنیادی عقائد کو علمی استدلال سے ثابت کرنے کی یہ سرگرمیاں آغازِ اسلام سے ہی شروع ہوگئی تھیں۔ اب جبکہ مادہ کی بنیاد پر سائنس اور فلسفہ کی ترقی وتنظیم نے پورے مذہب کو مسترد کر دیا تو علم الکلام کا دائرہ بھی وسیع ہوگیا اور بات عقیدہ کے دلائل سے پورے مذہب کے ڈھانچے پر آ گئی۔ سائنس وفلسفہ سے قرآن کے تضاد کی سوچ اُمت میں اس اشکال کی وجہ سے پیدا ہوئی کہ ایک تو کلیسا نے سائنس وفلسفہ کو مسترد کیا۔ دوسری طرف سائنس وفلسفہ نے مذہب کو صرف مسترد نہیں کیا' بلکہ اقدامات کیے اور انسان کو موروثی غیر حقیقی مذہبی گرفت سے آزاد کیا اور انسان کے لیے آسانیاں اور آسودگیاں پیدا کر کے مذہبی حمایت کا قلع قمع کر دیا۔ اُمت پہلے سے زوال آمادہ تھی اور مذہبی بنیادوں پر قائم حکمرانی کے انداز غیر مذہبی تھے۔ مغرب نے مذہب کو مسترد کیا تو متبادل بھی دیا اور نتائج بھی دیے۔ اُمت نے مذہب کو مسترد نہیں کیا مگر نتیجہ بھی نہ دے سکے۔ محمد رفیع الدین نے علم الکلام کو جدید علم کی دریافتوں اور تقاضوں کی روشنی میں عقلی اور منطقی استدلال دیا اور جدید علوم سے آگاہی رکھنے والوں کے لیے قرآن کے تحت علم الکلام کو سمجھنے میں آسانی پیدا کی ہے۔ مبدأ کائنات' تصورِ کائنات اور مقاصد کائنات کی تلاش وجستجو انسان کی فطرت ہے اور قرآن تدبر وتفکر سے

تلاش وجستجو کی بھرپور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

ارتقائی جہت: ارتقائی جہت کا علمی منہاج واصول پر مطالعۂ قرآن علم جدید کے چوٹی کے اذہان کو متوجہ کرنے کا سبب بن سکتا ہے کہ قرآن ایک زندہ کتاب ہے اور محمد ﷺ ارتقاءِ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ نظریۂ ارتقاء بنیادی طور پر حیاتیات سے متعلق تھا مگر ڈارون اور اُس کے پیشروؤں نے اسے ایک مؤثر علمی آلہ یا منہاج میں ڈھال کر ماضی کے ہر طرح کے نظریات کی کاٹ کا اہتمام کیا اور کامیاب کوشش سے زندگی کے تمام شعبوں میں گہرے اثرات مرتب کیے۔ محمد رفیع الدین نے قرآن مجید کے جدید مطالعہ کے پس منظر میں ارتقاء کے علمی منہاج کو اختیار کرنے میں اسے غیر مناسب خیال نہیں کیا ہے۔

حرکت: خدا' کائنات اور انسان کا محور ہے۔ حرکت' زمان اور مکان کی بحث سے خدا اور کائنات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ علمی شعبہ معرضِ ارتقاء میں رہا ہے۔ فلسفہ منطق کی مجرد زبان کا علم ہے۔ قرآن کا خدا' کائنات اور انسان کے بارے میں بیان بہت سادہ ہے۔ علم جدید دلیل و برہان ہی کے منہاج پر بھروسہ کرتا ہے۔ ''وقت'' کی ضرورت یہ ہے کہ قرآن حکیم کے سادہ بیان کو استدلالی جہت دی جائے تاکہ علم جدید کے سانچے میں ڈھلے اذہان کو قرآنی علم کی طرف متوجہ کیا جاسکے۔ علم سے شعور بیدار ہوتا ہے اور انسان اس شعور کی بنیاد پر آگے بڑھنے کی حرکت وجستجو پاتا ہے۔ حرکت انسان کی نمود وموجودگی کی ایک بنیادی شرط ہے۔ انسان کی نمود خدا کی نمود کا تسلسل ومنشا ہے۔ حرکت تکمیل انسان اور معرفت خدا کی لازمی شرط ہے۔

شعورِ انسانی: کائنات کی تخلیق کے ساتھ حرکت ووقت اور زمان ومکان قائم ہوتے ہیں اور انسان کی تخلیق کے ساتھ شعورِ انسانی کا آغاز ہوتا ہے۔ شعورِ انسانی کی حرکت شعورِ نبوت سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلا انسان نبی بھی تھا۔ شعورِ نبوت کا سفر خاتم النبیین ﷺ پر اختتام پذیر ہوگیا ہے۔ شعورِ نبوت وحقیقتِ نبوت یا مصلح کا تصور کسی نہ کسی صورت میں تمام اقوام میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ ارتقاء مغربی علمیات کے ایک مسلّمہ علمی اصول کے طور پر مروّج ہے۔ قرآن حکیم میں نبوت وشعورِ نبوت انبیاء کی ایک مسلسل کڑی سے منسلک ہیں۔ قرآن نے آدم علیہ السلام کو نبی مانا' اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو بالترتیب یہودیوں اور عیسائیوں کا نبی مانا ہے اور مسلمانوں کو بھی انہیں نبی ماننے کا حکم دے رکھا ہے۔ اس لحاظ سے محمد ﷺ ارتقاءِ نبوت کی اگلی اور آخری کڑی ہیں۔ مغرب کے چوٹی کے حکماء محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت سے انکاری نہیں ہیں اور نہ انہوں نے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے بعد آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو بطور نبی پیش کیا ہے۔

محبّت: محبت' حسن اور لذّت علم جدید کی مثالی معاشرت یعنی مغرب کے بنیادی نصب العین کے ساتھ منسلک ہو چکے ہیں۔ مگر عصرِ جدید میں محبت' حسن اور لذت کاروباری منفعت' قومی غلبہ کے داعیات اور جنسی عمل سے مشروط ہے۔ گویا یہ الفاظ اپنی حقیقی سطح سے بہت نیچے آگئے ہیں اور اس کے اثرات مشرق اور اُمت میں محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ قرآن کا نظریہ محبت' حسن اور لذّتِ حقیقی ہے جو انسان کی محبت کو بلند ترین نصب العین سے روشناس کراتا ہے۔ حسنِ ازلی کو پانے کی آرزو دیتا ہے۔ نصب العین کا احساس اور حسن ازلی کو پانے کی آرزو کے سفر پر جب انسان آگے بڑھتا ہے۔ تب جا کر لذتِ حقیقی سے آشنا ہوتا ہے۔ علم جدید کی عامیانہ سوچ سے

انسان کو باہر لانا وارثانِ قرآن کے ذمہ ہے۔ وہ مطالعہ قرآن کے ایسے رُخ کو سامنے لائیں جن میں ان مضامین وتصورات کے عامیانہ پن کو حقیقی تصورات کے ذریعے اجاگر کیا جا سکے۔

شعورِ نبوت: شعورِ حقیقی، شعورِ نبوت اور شعورِ انسان اللہ تعالیٰ کے مقاصد ومنشا کے بنیادی عناصر ہیں۔ شعورِ حقیقی، شعورِ نبوت کے ذریعے شعورِ انسان کا ایک خاص تدریجی حکمت سے حصہ بنتا آ رہا ہے۔ سلسلۂ نبوت کی تکمیل ہوئی تو شعورِ ایزدی نے شعورِ نبوت شعورِ ذات انسانی کے سپرد کر دیا۔ محمد رفیع الدین اس کو خود شعوری کا نام دیتے ہیں جس سے مراد ذات کا اپنا شعور ہے۔ خود شعوری انسان کو حاصل ہونے والی وہ آزادی ہے جو شعورِ حقیقی کے مقصد ومنشا کے حصول کی استعداد پیدا کر دیتی ہے۔ یہی مقصد خاتم النبیین ﷺ کا تھا اور ہے، اور قرآن خود شعوری کے آنے والے مختلف مراحل کا دستور العمل ہے۔

حکمت عملی: مطالعہ قرآن ''وقت'' کا متقاضی ہے۔ نئے چیلنجز اور تازہ مسائل سے عہدہ برآ ہونا حجیتِ قرآن بھی ہے۔ نئی جہتوں پر مطالعہ قرآن کے لیے قرآن حکیم سے تائید اور حکمت عملی درکار ہے۔ حکمت عملی ''وقت'' کا اجتماعی گروہ تشکیل دیتا ہے۔ یہ مسئلہ آج اُمت کو درپیش ہے۔ محمد رفیع الدین اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جدید حکمت عملی مرتب کرنے کی فکر کے داعی ہیں۔ قرآن حکیم کتاب حکیم وحکمت ہے۔ شاہ ولی اللہؒ ارتفاقات کے تحت حکمت عملی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ علامہ اقبال کی حکمت عملی کے انسان، وحی، فطرت، تاریخ اور عقل استقرائی لازمی اجزاء ہے۔ محمد رفیع الدین آفاق کی سطح پر حکمت عملی کا محور ایک نصب العین یعنی ایک خدا کا تصور قرار دیتے ہیں۔ اس سب کے علاوہ ''وقت'' کے مؤثرات کے تعین ومقام کے بغیر حکمت عملی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہ مؤثرات، عقلیت، حسیت، مادیت، تجربیت، میکانیت، اخلاقیت اور جمہوریت وغیرہ ہیں۔

نصب العین: نصب العین جہت مطالعہ وتفہیم القرآن کے لیے ایک نئی جہت ہے۔ نصب العین وہ بنیادی محرک ہے جو انسان کو آگے بڑھنے کے لیے مجبور کرتا ہے۔ محدود نصب العین، محدود سوچ وفکر کو جنم دیتا ہے جبکہ عظیم تر نصب العین عظیم تر فکر کو پروان چڑھاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی نصب العینی فکر کو ''داعیہ الی العین'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ نصب العین دراصل تمام انسانی اعمال کی روح اور جذبہ محرکہ ہے۔ نصب العین جب ایک خدا ہو تو مطالعہ قرآن سے علم وعمل کا ایک مربوط نظامِ فکر اجاگر ہوگا اور ایک خدا کا نصب العین آفاقی سطح کی سوچ پیدا کرنے کا موجب ہوگا، کیونکہ ایک خدا کا تصور تمام مذاہب، قوموں اور انسانوں میں کسی نہ کسی صورت موجود ہے، کیونکہ ایک خدا کا تصور فطری محرک ہے۔

علم: علوم الوحی کا نزول لوحِ محفوظ سے ہوتا ہے اور علوم الانسان اس وحی کے تجربات وعمل سے بتدریج مرتب ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے علم کی وسعت کے پیش نظر قرآن حکیم کے مطالعہ کو مزید وسیع کرنے پر زور دیا ہے۔ علم سے لاتعلقی کو درست خیال نہیں کیا کہ علم جس قدر بھی انسانوں کو حاصل ہوتا ہے وہ لوحِ محفوظ سے تقسیم ہوتا ہے۔ قرآن حکیم بھی لوحِ محفوظ سے اتارا گیا ہے۔ لوحِ محفوظ سے ایک وحی پیغمبر پر نازل ہوتی ہے، لیکن الہام کسی انسان پر وارد ہو کر نئی علمی دریافت کا موجب بن جاتا ہے۔ یہ ماہر طب، سائنس دان، فلسفی اور عابد ودرویش ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید اور اُسوۂ رسول ﷺ وحی کا معیار وکسوٹی ہیں، جب کہ ان ماخذ اور ماقبل ومابعد

ظہورِ قرآن' انسانی تاریخ سے محسوسات' مقعولات' مادیات' استدلالات اور وجدانیات انسان کے ذرائع ومعیار ہیں۔

صداقت: ''صداقت'' وہ معیار ومیزان ہے جو ہر نظام فکر وحکمت کی تشکیلِ جدید کی بنیاد ہے' نصب العین کے تعین کا پیمانہ ہے اور علم کی تشکیلِ جدید کا میزان ہے۔ علم' نصب العین اور صداقت مسلم ادب وحکمت کا حصہ رہے ہیں اور علم جدید بھی انہی معیارات کو بنیاد بنائے ہوئے ہے۔ ہر نبی اور ہر مذہب نے اپنے ''وقت'' میں صداقت کے معیار ومیزان کو بیان کیا ہے۔ یہ سلسلہ خاتم النبیین ﷺ پر ختم ہوتا ہے۔ پیغمبرانہ ہدایت کا ایک حصہ ابدی سچائیوں کا بیان ہوتا ہے اور دوسرا انسانی شعور کو اس قابل بنانا کہ وہ اپنی بصیرت وجستجو سے صداقت پا سکے۔ معیارِ صداقت کے تعین میں انہی دو طریقوں کو مقبولیت حاصل رہی ہے۔ مذہبی سچائیوں اور صداقتوں کے معیار ومیزان کا پیمانہ عصر حاضر میں قرآن حکیم ہے' دوسرے مذاہب امدادی حیثیت کے حامل ہیں۔ جبکہ دوسری طرف عقلیت' حسیت اور تجربیت انسانی علم وتحقیق کا صداقتی معیار ومیزان ہے۔ قرآن نے ابدی سچائیوں کو بیان کر رکھا ہے۔ انسان اُس کو پانے کی اپنی جستجو میں لگا ہے۔ علم جدید قرآنی یا مذہبی ابدی سچائیوں کے بیان کو چیلنج کرتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کو صداقت کا معیار ومیزان بنانے کے لیے علم جدید کے معیارات کو قرآن کے ذیل میں ثابت کیا جائے۔ مطالعہ قرآن کی یہ جہت قرآن کی حجیت کا باعث ہوگی۔

توسیع وتجدید۔ حکماء کا اتفاق

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ''الفوز الکبیر'' علوم القرآن کے ارتقاء میں ایک اہم موڑ ہے۔ ''الاتقان'' کا خلاصہ کر کے علوم القرآن پر بحث کی ہے۔ باب اول میں مطالعہ قرآن کو پانچ علوم کے تحت بیان کیا ہے۔ اول علم الاحکام جس میں عبادات' معاملات' تدبیر منزل وسیاست مدن شامل ہے۔ دوم' علم مناظرہ' جس میں یہود' نصاریٰ' مشرکین اور منافقین سے معاملات کرنا۔ یعنی تمام غیر مسلم قوتوں کے علمی چیلنج کا قرآن کی رو سے تسلی بخش جواب مہیا کرنا ہے۔ سوم' تذکیر بآلاءِ اللہ' جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' خالقیت' ربوبیت اور رحمت زیر بحث آتی ہے۔ چہارم' تذکیر بایام اللہ' جس میں ہدایت وضلالت اور حق وباطل کی کشمکش یا خارجی اثرات کا تعین وحل۔ پنجم' تذکیر بالموت ومابعدالموت' جس میں موت اور بعد از موت کی حقیقت کا بیان ہے۔ یوں قرآن کے بے پناہ علوم کو پانچ عنوانات کے تحت بیان کر کے مطالعہ قرآن کے لیے آسانی پیدا کی ہے۔ بہت مختصر اور جامع طور پر بیان کیا ہے اور چار ابواب کے تحت تقسیم کیا ہے۔ یعنی وجوہ خفائے نظم قرآن' نظم قرآنی کے لطائف اور اُس کے اسلوب وبدیع کی تشریح' فنون تفسیر اور غرائب قرآنی کے تحت بیان کیے ہیں۔(۷۷) محمود احمد غازی نے علوم پنج گانہ کو آسان عنوانات عقائد' احکام' اخلاق' تزکیہ واحسان اور تذکرۂ موت ومابعدالموت کے تحت بیان کیا ہے۔(۷۸) مولانا محمد حنیف ندوی نے ''مطالعہ قرآن'' میں محتویات قرآن کے تحت شاہ ولی اللہ کے ان علوم پنج گانہ کی تفصیلی وضاحت کی اور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ قریب قریب قرآن کے تمام معارف کو پانچ خانوں میں تقسیم کر کے علوم القرآن کے باب میں ایک نئی جہت دی ہے۔ اس کے باوجود مولانا کا یہ دعویٰ ہے کہ:

> ''ابھی متعدد نجوم وکواکب ایسے ہیں جنہیں اس کتاب ہدیٰ کے مطلع روشن سے ابھرنا اور طلوع ہونا ہے اور بے شمار نکات ومعانی ہیں جنہیں زمان وارتقاء کی مناسبتوں کے ساتھ ساتھ نکھرنا اور واضح ہونا ہے۔''(۷۹)

مولانا محمد تقی عثمانی نے ''علوم القرآن'' پر لکھا اور اُسے کتابی صورت دی۔ علماء میں سے یہ جدید کوشش ہے جو بالغ نظری پر مشتمل ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو پیدا کیا تو اُس کے علم و معلومات کے تین آلہ جات بھی عنایت فرما دیے۔ یعنی:

(۱) حواس (۲) عقل (۳) وحی

حواس علم کا پہلا، عقل علم کا دوسرا اور وحی علم کا تیسرا اور حتمی درجہ ہے۔ بہت سی باتیں حواس سے معلوم ہوتی ہیں اور بہت سی باتوں کی سمجھ عقل سے آتی ہے اور جہاں عقل کی حدیں ختم ہو جاتی ہے وہاں علم کا واحد ذریعہ وحی رہ جاتی ہے۔ (۸۰)

مولانا تقی عثمانی نے ان سطور میں جدیدیت کے آلہ علم حواس و عقل کی پوری اہمیت کو درست تسلیم کیا ہے اور وحی کی اعلیٰ و برتر اہمیت کو قائم رکھتے ہوئے انسان کے ابتدائی آلہ جات سے الگ نہیں کیا۔ تطابق و ہم آہنگی کی یہ زبردست کوشش ہے۔ تطابق و ہم آہنگی کی یہ کوشش فروع میں نہیں کی بلکہ ابتدائی اصولوں میں کی ہے۔ اصولوں میں جب تعارض واقع نہیں ہوگا تو فروع میں مسائل پیچیدہ نہیں ہوں گے۔ مغرب یا علم جدید نے دو آلہ جات پر اپنے یقین کو دوام دے دیا ہے۔ انسان نے اپنے حواس و عقل پر بھروسہ کرنا سیکھ لیا ہے۔ وہ دیوتا سے اب نہیں ڈرتا۔ ڈرنے کی کیفیت سے نکلنے کے لیے وہ اب اکثر اوقات خدا سے بھی ڈرنے سے انکار کرتا ہے۔ اس انکار کا تعلق دراصل ایک تاریخی و مذہبی تعبیر و تشریح کا خوف ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کا۔ ایک کیفیت جو انسان کو خوف زدہ رکھتی تھی، انسان اُس سے باہر نکل آیا ہے۔ یہ اعلیٰ بلوغت اور انسان کے اعتماد کی نشانی ہے۔

وحی کی علمی و حتمی حیثیت مسلمہ ہے۔ علم جدید کے علمی آلہ جات کو مسترد کیے بغیر جب ایک نئے یقین افروز آلہ علم کو باور کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور کامیاب نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے تو ہم علم جدید کی مزید ترقی کا باعث بنیں گے اور یہ انسان کی خدمت ہوگی۔ اُس کی اعلیٰ بلوغت کو یقین ملے گا۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی کی ''محاضراتِ قرآنی'' کو تازہ ہوا کا جھونکا قرار دیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن کے حوالے سے مطالعہ کے اَن گنت میدانوں کی نشاندہی کی۔ مطالعہ قرآن کے ضمن میں جہاں موجودہ عصری نظریات اور عصری علوم زیر بحث آ سکتے ہیں وہاں ابھی مزید علوم کے وسیع میدان منتظر ہیں۔ قرآن علوم و معارف کا گنجینہ ہے اور ہر دور کے اہلِ علم پر اس کی تازہ تعبیر و تشریح فرض ہے۔ اور حدیث پاک کے مطابق ہر دم تازہ تعبیر و تشریح قرآن کے بے پناہ عجائبات کا ظہور ہوگا۔ مطالعہ قرآن کا ہمیشہ یہ سلیقہ رہا ہے کہ ہر تازہ صورتِ حال اور ہر جدید علم کے منظر پر آنے کے بعد قرآنی احکامات و فکریات کو اُس پر منطبق کرے، تہذیب و اصلاح کرے، ہر نئے سوال کے جواب پر قرآن مجید کی تعبیر و تشریح کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس ضمن میں تفسیر کے اصول اور تعبیر کے نئے قواعد درکار ہوتے ہیں (۸۱) تفسیر کے نئے اصول اور تعبیر کے نئے قواعد بھی اُسی طرح ''علوم القرآن'' کا حصہ متصور ہوں گے جیسے پہلے اصول و قواعد شمار ہوتے ہیں۔ محمود احمد غازی نے ''علوم القرآن'' کی بھی باقاعدہ وضاحت کی ہے کہ اس کے دو دائرے ہیں، ایک نسبتاً چھوٹا اور تنگ دائرہ ہے جس میں وہ علوم و فنون شامل ہیں جن کا تعلق براہ راست قرآن مجید کی تفسیر اور فہم سے ہے جب کہ علوم القرآن کے نسبتاً وسیع

دائرہ میں انسان کی تمام فکری کاوشیں شامل ہیں جن کی سمت درست ہو اور جن کی اساس صحیح ہو۔ اس میں آئے دن نئے نئے علوم و معارف شامل ہو رہے ہیں اور مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اور کہا کہ جب مسلمانوں کے موجودہ معاشرتی و انسانی علوم از سر نو مدون ہو جائیں گے تو پھر یہ ماضی کی طرح قرآن فہمی میں مددگار ہوں گے۔ (۸۲)

صداقت: علوم القرآن کے تحت مرتب شدہ قواعد و ضوابط قرآن کے مطالعہ و تفسیر کا ابتدائی دروازہ ہیں۔ اس دروازہ کی جب تک توسیع نہیں ہوتی جدید علمی دریافتوں کو قرآنی علوم کی کسوٹی پر پرکھنا مشکل ہے اور مطالعہ قرآن کی نئی جہتوں کا تعین ممکن نہیں ہے۔ اُمت علوم القرآن کے قواعد و ضوابط سے ہٹ کر کسی مطالعہ اور کسی جہت کو درست خیال نہیں کرتی۔ تاریخی طور پر قرآنی مطالعہ و تفسیر کے لیے جن قواعد و ضوابط کو علوم القرآن کی اصطلاح دی گئی ہے، بنیادی طور پر یہ مطالعہ قرآن کے امدادی علوم ہیں جو قرآن کے داخلی معنوں تک پہنچنے میں معاون ہوتے ہیں۔ علوم الحدیث، علوم الفقہ بھی امدادی علوم ہیں۔ مطالعہ قرآن کے لیے یہ امدادی علوم عہد بہ عہد مرتب ہوئے ہیں۔ وقت جدید آج پھر ان علوم میں وسعت کا متقاضی ہے۔ قرآن زندہ کتاب ہے اور شارحِ کتاب اور خاتم النبیین ﷺ کی احادیث محفوظ ہیں، فقہ اور تاریخی مسلم سرمایہ موجود ہے، مگر نتائج مسلمانوں کے حق میں نہیں آ رہے ہیں۔ نتیجہ خیزی کے لیے قرآن و حدیث ہی ہمارے لیے مینارۂ نور ہیں۔ جدید مسائل کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے علوم القرآن کے دائرے کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ علوم القرآن کے زیادہ تر قواعد و ضوابط قرآن کے لفظی و داخلی معنوں کی خاطر مرتب ہوئے ہیں۔ خارجی ترقی اور اُس کے اثرات جن علوم کی بنیاد پر ظہور پذیر ہوئے انہیں زیر بحث لانے کے لیے مزید قواعد و ضوابط درکار ہیں۔ خارجی ترقی و اثرات کے نمایاں نظریات کی قرآن حکیم کی روشنی میں چھان پھٹک ایک ضروری عمل ہوگا، لیکن کسی نظریہ پر حتمی و قطعی تنسیخ و تنقید درست انداز نہ ہوگا۔ قرآن حتمی و قطعی ہے مگر انسانی علوم و افکار اقدام و خطا کے انداز میں آگے بڑھتے ہیں اور اس عمل سے گزر کر خود انسان ہی حتمی و قطعی علوم و افکار کو پالیتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) ڈاکٹر محمد رفیع الدین، علامہ محمد اقبال کے معنوی شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ بین الاقوامی شہرت کی حامل فکر رکھتے تھے۔ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۹ء میں حادثاتی موت کا شکار ہو گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ جائے پیدائش جموں، جموں کشمیر اور جائے وفات کراچی ہے۔ اقبال اکیڈمی کراچی کے ۱۲ سال ڈائریکٹر رہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں ''آئیڈیالوجی آف دی فیوچر'' نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی، جبکہ ''قرآن اور علم جدید''، ''فرسٹ پرنسپلز آف ایجوکیشن'' اور ''حکمت اقبال'' نے برصغیر کے چوٹی کے علماء و حکماء میں شہرت پائی۔ تین چار ادارے ان کی فکر پر کام کر رہے ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی فکر بنیادی توجہ کی حامل ہوگی۔ ان کی علمی اہمیت اور فکر پر پروفیسر محمد منور مرزا رقمطراز ہیں:

> ''فلسفہ و دین کا تال میل اکثر مسلمان فلاسفہ میں نظر آتا ہے مگر یہ امتزاج حضرت علامہ کے یہاں وارد ہو کر عروج کو پہنچ جاتا ہے۔ اس امر کی ترجمانی ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب کے نظریات کرتے ہیں۔'' (تبصرہ اسلامی تعلیم، جلد ۱، شمارہ ۱۰، ۱۹۷۲ء، ص ۳۵)

(۲) ڈاکٹر محمد رفیع الدین، قرآن اور علم جدید، آل پاکستان ایجوکیشن کانگریس، ۷ فرینڈز کالونی لاہور ۱۹۹۶ (چھٹا ایڈیشن) ص ۱۰۔

(۳) ڈاکٹر محمد رفیع الدین، پاکستان کا مستقبل، آل پاکستان ایجوکیشن کانگریس، لاہور ص ۴۲۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۴ء۔ پہلا ۱۹۵۳ میں شیخ برکت علی اینڈ سنز لاہور نے شائع کیا تھا۔

(۴) سورۃ العلق ۹۶۔ آیات ۴، ۵۔ (۵) ڈاکٹر محمد رفیع الدین، پاکستان کا مستقبل، ص ۴۷۔

(۶) ایضاً، ص ۱۰۔

(۷) بخاری و مسلم میں یہ حدیث مبارکہ متعدد ابواب میں بیان ہوئی ہے۔ مزید برآں یہ حدیث ابو داؤد (۱۴۸۵)، ترمذی (۲۹۴۳)، نسائی (۹۳۵) اور دوسری کئی کتب میں بھی بیان ہوئی ہے۔

(۸) جمال الدین ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ)۔ علوم القرآن پر ''فنون الافنان فی علوم القرآن'' کے علاوہ ۴۸ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ''تذکرۃ الاریب فی تفسیر الغریب'' (غریب قرآن الکریم) میں حالات زندگی اور فہرست کتب بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب جدید انداز سے دارلکتب العلمیہ بیروت لبنان سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

(۹) شرح مشکل الآثار للطحاوی: ۱۱۵/۸۔ کم و بیش الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مسند امام احمد، مستدرک حاکم، اور سنن دار قطنی میں بیان ہوئی ہے۔

(۱۰) جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (۸۴۹ھ۔ ۹۱۱ھ/۱۴۴۵ء۔ ۱۵۰۵ء) ''الاتقان فی علوم القرآن'' دارالکتاب العربیہ، بیروت لبنان، ۲۰۰۷ء، نوع ۱۴، ص ۱۲۳۔ سیوطی نے اس حدیث پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ دو جلدوں پر مشتمل شائع ہو گیا ہے۔ محمد حلیم انصاری کا ترجمہ ادارہ اسلامیات لاہور نے ۱۹۸۲ء میں شائع کیا۔

(۱۱) ابن الجزری (م ۸۳۳ھ) ''النشر فی القراءت العشر'' دمشق (۱۳۴۵ھ) جلد ۱، ص ۲۱۔

(۱۲) سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ص ۱۲۳۔

(۱۳) محمد عبدالعظیم الزرقانی، مناہل العرفان فی علوم القرآن، دارالکتاب العلمیہ بیروت لبنان، ۲۰۰۴ء، ص ۸۱ تا ۱۱۰۔

(۱۴) مولانا محمد تقی عثمانی، علوم القرآن، طبع جدید مکتبہ دارالعلوم کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۱، ۱۱۰۔ تقی عثمانی کے ہاں سات سے مراد محض کثرت نہیں بلکہ عدد مراد ہیں اور آپ ﷺ پر حضرت جبرائیلؑ کی آمد اور ربّ العزت سے آپ ﷺ کی معذرت اور مغفرت کے بعد ایک حرف سے سات حرف کی منظوری قراءت سے متعلق ہے۔ انہوں نے یہ دونوں احادیث بخاری و مسلم، محمد عبدالعظیم الزرقانی کی کتاب ''مناہل العرفان فی علوم القرآن'' کے حوالے سے بیان کی ہیں۔

(۱۵) امام بدرالدین زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، دارالکتاب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء۔ یہ کتاب دو جلدوں اور چار اجزاء پر مشتمل ہے اور علوم القرآن پر مفید بحث موجود ہے۔

(۱۶) علامہ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، دارالکتاب العربیہ بیروت ۲۰۰۷ء، ص ۳۵۔

(۱۷) ابن ندیم، الفہرست، مطبعہ رحمانیہ مصر، ص ۵۵، جبکہ سیوطی نے الاتقان کے مقدمہ میں اسے بیان کیا ہے۔

(۱۸) ابن الجوزی، فنون الافنان فی عجائب القرآن، دارالکتاب العربیہ بیروت، ۲۰۰۴ء۔

(۱۹) امام بدرالدین الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، دارالکتاب العربیہ بیروت، ۲۰۰۷ء۔

(۲۰) جلال الدین سیوطی' الاتقان فی علوم القرآن' دار الکتاب العربیہ بیروت' ۲۰۰۷ء۔
(۲۱) محمد عبدالعظیم زرقانی' مناہل قرآن فی علوم قرآن' دار الکتاب العلمیہ بیروت' ۲۰۰۴ء۔
(۲۲) ڈاکٹر صبحی صالح' مباحث فی علوم القرآن۔ اس کا اردو ترجمہ (از غلام احمد حریری) دستیاب ہے۔
(۲۳) شاہ ولی اللہ' الفوز الکبیر فی اصول التفسیر' ترجمہ رشید احمد انصاری' مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی' ۱۹۵۵ء۔ یہ کتاب درسی کتاب کے طور پر کئی بار شائع ہو چکی ہے۔
(۲۴) اردو دائرہ معارف اسلامی' پنجاب یونیورسٹی لاہور' ص ۵۲۹ (عنوان قرآن)۔
(۲۵) جمع و تدوین قرآن پر متعدد کتب لکھی گئی ہیں۔ الاتقان نوع ۸ ص ۸۵۳' مناہل العرفان' زرقانی باب ۸ ص ۱۳۴ ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ البتہ توسعی و تدریجی انداز میں اسے ڈاکٹر حمید اللہ نے ''خطبات بہاول پور'' میں احسن انداز میں بیان کیا ہے۔ ادارۂ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد' اشاعت نہم' ۲۰۰۳ء۔
(۲۶) امام زرکشی' البرہان فی علوم القرآن' جز ۲' ص ۱۹۰۔
(۲۷) الاتقان' نوع ۷۸' ص ۸۷۲۔ (۲۸) ایضاً۔
(۲۹) ڈاکٹر محمود احمد غازی' محاضراتِ قرآنی' الفیصل لاہور' ۲۰۰۴ء' ص ۲۴۲۔ محمود احمد غازی کا ماہ ستمبر ۲۰۱۰ء میں انتقال ہو گیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ''محاضراتِ قرآنی'' علوم القرآن میں تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔
(۳۰) یہ عجیب بات ہے کہ علوم القرآن کے تحت لکھی جانے والی کتب اور علوم القرآن کی فہرست بندی میں علم اصولِ حدیث اور علم اصولِ فقہ کا تذکرہ نہیں کیا جاتا' اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ علوم' فہم قرآن سے الگ کسی علم کے اصول و قاعدے ہیں۔ حالانکہ انہیں علوم القرآن میں بہت نمایاں درجہ پر ہونا چاہیے۔
(۳۱) مولانا شبلی نعمانی' سیرت النبی ﷺ' جلد ۴' ص ۹۲۔
(۳۲) امام غزالی' المستصفی من علم الاصول۔ ۶۰۸ صفحات پر مشتمل عربی میں یہ تازہ اشاعت دار الکتاب العلمیہ بیروت نے شائع کی ہے۔ اجماع اور عقل پر مباحث ہیں۔
(۳۳) مجلّہ الاحکام العدلیہ' طبع بیروت ۱۹۸۰ء' ص ۱۴۔ یہ مجلّہ بنیادی طور پر فقہی قواعد و ضوابط پر مشتمل ہے۔ یہ قواعد و ضوابط قرآن و حدیث سے مسائل و احکام کے استنباط کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں۔ محض فقہی قواعد و ضوابط کہہ کر پکارنے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید یہ قرآن و حدیث کے علاوہ یا غیر ہیں۔
(۳۴) امام غزالی' عزالدین بن عبدالسلام' قواعد الاحکام' ص ۴' ۱۰۔
(۳۵) علی بن تمام ابن السبکی' القواعد والاشباہ والنظائر' بحوالہ ڈاکٹر جمال الدین عطیہ' فقہ اسلامی کی نظریہ سازی (ترجمہ) الفیصل لاہور' ۱۹۷۷ء' ص ۹۵۔۱۲۰۔
(۳۶) جلال الدین سیوطی' الاشباہ والنظائر۔ یہ ضخیم کتاب ۸۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ سات ابواب پر مشتمل اس کتاب میں قواعد و ضوابط بیان کیے گئے ہیں۔ پہلے باب اور دوسرے باب میں استخراجی قواعد بیان کیے گئے ہیں۔ پیش نظر اشاعت ۲۰۰۶ء کی دار الکتاب العربی بیروت لبنان کی ہے۔
(۳۷) ابن نجیم' الاشباہ والنظائر' ص ۱۵۔
(۳۸) ڈاکٹر جمال الدین عطیہ' فقہ اسلامی کی نظریہ سازی' ترجمہ الفیصل لاہور' ۱۹۷۷ء' ص ۹۵۔۱۰۰۔
(۳۹) ایضاً' ص ۱۰۱۔

(۴۰) شاہ ولی اللہ' الفوز الکبیر' ترجمہ رشید احمد انصاری' ص ۳۔
(۴۱) سرسید احمد خان (۱۸۸۷ء۔۱۸۹۸ء) تفسیر قرآن' ایک جلد' دوست ایسوسی ایٹ لاہور۔
(۴۲) ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸۔۱۹۵۸ء) ترجمان القرآن' اسلامی اکادمی لاہور' جلد ا' ص ۱۴۔
(۴۳) عبدالماجد دریا آبادی (۱۸۹۶۔۱۹۷۷ء) مقدمہ تفسیر ماجدی' تاج کمپنی لاہور' دو جلد۔
(۴۴) علامہ محمد اقبال' تشکیل جدید الٰہیات الاسلامیہ' بزم اقبال لاہور' ص ۱۸۔
(۴۵) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳۔۱۹۷۹ء) مقدمہ تفہیم القرآن' ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔
(۴۶) مولانا امین احسن اصلاحی () تدبر قرآن مقدمہ ملاحظہ کیجیے۔
(۴۷) ڈاکٹر اسرار احمد (۱۹۳۲۔۲۰۱۰ء) مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق' لاہور ۱۹۹۲ء' ص ۲۸۔
(۴۸) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے ''قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل'' اور ''منہاج القرآن'' میں عمدگی سے اس رجحان کو بیان کیا ہے۔ یہ دونوں کتب ادارہ ثقافت اسلامیہ ۶ کلب روڈ لاہور سے شائع ہو چکی ہیں۔
(۴۹) ڈاکٹر محمود احمد غازی (وفات ستمبر ۲۰۱۰ء) نے سلسلہ محاضرات کی پہلی کاوش ''محاضرات قرآنی'' میں علوم القرآن اور فہم القرآن کی پوری تاریخ کو عمدگی سے بیان کرنے کے ساتھ عہد حاضر میں مطالعہ قرآن کے طریقوں کی نمایاں نشاندہی کی ہے۔
(۵۰) ڈاکٹر محمد رفیع الدین' قرآن اور علم جدید' ص ۱۰۳۔ (۵۱) ایضاً' ص ۳۲۔
(۵۲) ایضاً' مقدمہ کتاب۔ (۵۳) ایضاً' ص ۱۱۸۔
(۵۴) محمد رفیع الدین' اسلام اور سائنس' مرتب مظفر حسین' سائنس کی دینیات' ص ۲۷۔
(۵۵) محمد رفیع الدین' حکمت اقبال' ص ۴۶۸۔ (۵۶) ایضاً' ص ۴۷۳۔
(۵۷) چارلس ڈارون (۱۸۰۹۔۱۸۸۲ء) نے The origin of species میں یہ نظریہ پیش کیا جو بے حد مقبول ہوا۔ اس نے حیاتیات کے تین اصول بیان کیے۔ اول تنازع للبقاء' دوم بقائے زندگی' سوئم انتخاب طبعی۔
(۵۸) محمد رفیع الدین' قرآن اور علم جدید' ص ۳۸۔
(۵۹) میکڈوگل (۱۸۷۱۔۱۹۳۸ء) سوشل سائیکالوجی ص ۳۸' ترجمہ محمد ہادی (معاشرتی نفسیات)' جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن' ۱۹۲۷ء۔
(۶۰) فرائیڈ (۱۸۵۶۔۱۹۳۸ء) ''The Ego and the Id'' ص ۵۴' دی گریٹ بکس۔ فرائیڈ کی متعدد کتب ہیں۔ دی گریٹ بکس' برٹینکا نے اصل ٹیکسٹ کو یکجا کیا ہے۔ یہ سیریز ساٹھ جلدوں پر مشتمل ہے جس میں یورپ کے سربرآوردہ حکماء کو یکجا کیا گیا ہے۔
(۶۱) قرآن اور علم جدید' ص ۳۳۱۔ (۶۲) حاشیہ نمبر ۵۷ میں بیان ہوا ہے۔
(۶۳) حاشیہ نمبر ۵۹ میں بیان ہوا ہے۔ (۶۴) حاشیہ نمبر ۲۰ میں بیان ہوا ہے۔
(۶۵) محمد رفیع الدین نے میکیاولی کے نظریہ سیاست کو ''قرآن اور علم جدید'' اور ''Ideology of the Future'' میں بیان کیا ہے۔
(۶۶) مولانا محمد حنیف ندوی' سیاسیاتِ اسلام' ص ۲۱۷۔
(۶۷) عبدالماجد دریا آبادی' تفسیر ماجدی' تاج کمپنی لاہور' جلد اول' ص ۱۲۳۔

(۶۸) ڈاکٹر علامہ محمد اقبال' خطبات' ص ۱۱۔
(۶۹) ڈاکٹر محمد رفیع الدین' قرآن اور علم جدید' ص ۱۵'۱۶۔
(۷۰) "Manifesto of Islam" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر ابصار احمد نے ''منشور اسلام'' کے نام سے کیا ہے' جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا ہے۔
(۷۱) جمہوریت (Democracy) پر مختصر معلومات کے لیے آکسفورڈ کی شائع کردہ Bernard Crick کی "Democracy" ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔
(۷۲) گلوبل ازم آج کا موضوع ہے۔ متعدد تحریریں سامنے آچکی ہیں۔ مختصر معلومات کے لیے آکسفورڈ سے شائع کردہ Manfred Steger کی Globalization ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔
(۷۳) ترجمہ آیت مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی ''تفسیر ماجدی'' سے لیا گیا ہے۔
(۷۴) ڈاکٹر محمد رفیع الدین' قرآن اور علم جدید' ص ۱۱۰۔
(۷۵) ڈاکٹر محمد رفیع الدین' سائنس کی دینیات' ص ۱۷۔
(۷۶) ڈاکٹر محمد رفیع الدین' قرآن اور علم جدید' ص ۴۸۔
(۷۷) شاہ ولی اللہ' الفوز الکبیر (عربی)' اردو ترجمہ: مولانا رشید احمد انصاری' مکتبہ برہان دہلی ۱۹۵۵ء۔ اس کے علاوہ ہجرہ کونسل سے شائع شدہ انگریزی کا نسخہ' محمد سلیم عبداللہ کا ترجمہ شدہ نسخہ جو اردو اکیڈمی سندھ' کراچی نے ۱۹۶۰ء میں شائع کیا اور جو نسخہ ادارہ اسلامیات لاہور نے ۱۹۸۲ء میں دہلی نسخہ کی کاپی کر کے شائع کیا اور مولانا تقی عثمانی کی کتاب ''علوم القرآن'' کا ایک باب بھی دیا ہے' راقم کے پیش نظر ہیں۔
(۷۸) ڈاکٹر محمود احمد غازی' محاضرات قرآنی' الفیصل لاہور ۲۰۰۴ء' ص ۳۴۷۔ علوم القرآن پر یہ تازہ ترین پیش رفت ہے۔ اسے کتب سابقہ کا جامع کہنا بے جا نہ ہوگا۔ خطیبانہ انداز کی عام سادہ زبان میں علوم القرآن کے سارے موضوعات کو بنیادی مآخذ اور عصر جدید کی ذہنی ضرورتوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ بارہ خطبات میں خطبہ نہم کو خصوصاً ''علوم القرآن'' کے مختصر جائزے کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔
(۷۹) مولانا محمد حنیف ندوی' مطالعہ قرآن' ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور' طبع سوم ۱۹۹۸ء' ص ۱۵۲۔ ''مطالعہ قرآن'' مولانا صاحب کی اہم کتاب ہے۔ اس میں وہ ''علوم القرآن'' کے روایتی موضوعات کے تحت جدید فکر کو بیان کرتے ہیں اور شاہ ولی اللہ کے کام کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔
(۸۰) مولانا محمد تقی عثمانی' علوم القرآن' ص ۳۶۔
(۸۱) ڈاکٹر محمود احمد غازی' محاضرات قرآنی' الفیصل لاہور' ۲۰۰۴ء' ص ۱۶۰۔
(۸۲) ایضاً' ص ۲۰۸۔

❁❁❁

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

قرآن اور مستشرقین

بسلسلہ : تحریک استشراق: ایک تعارف

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

اس تحقیقی مضمون کے مطالعہ میں چند نکات کو مدنظر رکھنا چاہیے:۱) ہر مستشرق کے بارے میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ پہلی دفعہ میں اس کے مترجم اردو نام کے علاوہ اصل انگریزی' جرمن یا فرانسیسی نام بھی بیان ہوجائے۔ بہت سے مستشرقین ایسے ہیں جن کے اردو نام ہمیں نہیں ملے یا ابھی تک اردو میں ترجمہ نہیں ہوئے تو ان کے اصل نام کی اردو بناتے ہوئے انگریزی لہجے (American English Accent) کو معیار بنایا گیا ہے۔ مثلاً اگر کسی جرمن یا فرنچ مستشرق کو نقل کیا گیا ہے تو اس کے نام کے انگریزی لہجے کی اردو بنائی گئی ہے نہ کہ جرمن یا فرنچ۔۲) کسی بھی مستشرق کے پہلی دفعہ بیان کے وقت اس کی سن پیدائش اور سن وفات بھی ساتھ ہی نقل کی گئی ہے اور اس بارے میں آن لائن انسائیکلوپیڈیا' وِکی پیڈیا کو ماخذ بنایا گیا ہے۔۳) اکثر مستشرقین کے حالات زندگی کتب میں نہیں ملتے' لہٰذا حالاتِ زندگی کے بیان میں بھی زیادہ تر وِکی پیڈیا ہی پر انحصار کیا گیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تازہ ترین معلومات کے اعتبار سے یہ انسائیکلوپیڈیا ایک بہترین مصدر ہے۔۴) اختصار کے پیش نظر کسی مستشرق کے افکار کا خلاصہ اردو میں بیان کر دیا گیا ہے' جبکہ اس کی اصل عبارت آخر مضمون میں حواشی کی صورت میں نقل کر دی گئی ہے۔۵) یہ مضمون اپنے موضوع پر ایک تمہید ہے اور اس میں کوشش کی گئی ہے کہ ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح پر قرآنیات کے موضوع پر کام کرنے والوں کو دفاع کتاب کے بارے میں نئے موضوعات اور نئی راہیں سجھائی جائیں تاکہ صحیح معنوں میں کتاب اللہ کے دفاع کا وہ فریضہ انجام پا سکے جو امت مسلمہ کے ذمے ایک قرض بن چکا ہے۔۶) ہمارے ہاں لائبریریوں کی جو صورت حال ہے' اس سے سب آگاہ ہیں۔ ایک معروف پبلک یونیورسٹی جو علوم اسلامیہ میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کروا رہی ہے' اس کی لائبریری کی کمپرسی کا یہ عالم تھا کہ ضرورت پڑنے اور تلاش کرنے پر راقم کو وہاں بائبل کا نسخہ تک نہ مل سکا۔ لہٰذا کتب کے انٹرنیٹ ایڈیشنز سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جو عیسائی مشنری ویب سائٹس نے اسلام دشمنی میں انباروں کی صورت جمع کیے ہوئے ہیں۔۷) عربی میں اگرچہ استشراق پر کافی کام ہوا ہے اور راقم کے پاس بھی تقریباً ۱۵۰ ایسی عربی کتب موجود ہیں جو تحریک استشراق اور مستشرقین کے رد میں ہیں' لیکن یہ ساری تحقیق بھی مستشرقین کی کتب کے عربی تراجم پر نقد کے گرد ہی گھومتی ہے۔ مستشرقین پر براہ راست نقد کرنے والے یا نقد کرتے ہوئے ان کی انگریزی نصوص یا اصطلاحات کو بیان کرنے والے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اپنے اس مضمون میں ہم نے یہ ممکن کوشش کی ہے کہ کسی مستشرق کی اصطلاح یا اعتراض انگریزی میں ہی بیان کیا جائے اگرچہ ساتھ میں اس کا اردو ترجمہ یا ماحاصل بھی بیان ہوجائے۔

تھیوڈور نولڈکے Theodor Noldeke (۱۸۳۶۔۱۹۳۰ء)

تھیوڈور نولڈکے Theodor Noldeke (۱۸۳۶۔۱۹۳۰ء) ایک جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۵۶ء میں تاریخ قرآن پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور اس کا یہ تحقیقی کام اس کے شاگرد فریڈرک شوالی Friedrich Zacharias Schwally (۱۸۶۳۔۱۸۱۹ء) کے تعاون سے ۱۸۶۰ء میں پہلی مرتبہ جرمن زبان میں شائع ہوا' جبکہ اس کا اصل مقالہ لاطینی زبان میں تھا' جو بعد ازاں The History of the Text of the Quran کے نام سے انگریزی میں بھی شائع ہوا۔ یہ کتاب تین جلدوں میں شائع ہوئی۔ پہلی جلد ۱۹۰۹ء اور دوسری ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی جنہیں شوالی نے ایڈٹ کیا۔ جبکہ تیسری جلد ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی اور شروع میں تو اسے برگ ٹریسر (Gotthelf Bergstrasser) ایڈٹ کرتا رہا' جبکہ اس کی وفات کے بعد اوٹو بارٹس (Otto Bartus) نے ایڈٹ کیا۔[۱]

علاوہ ازیں قرآن مجید سے متعلق اس کے خیالات ۱۸۹۱ء میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں The Quran کے نام سے ایک آرٹیکل کی صورت میں زیادہ مرتب صورت میں شائع ہوئے۔ ''نولڈکے'' کو جرمن مستشرقین کا 'شیخ' کہا جاتا ہے۔ وہ یونیورسٹی آف سٹراسبرگ' فرانس میں مشرقی علوم کا استاذ رہا ہے۔ اسے یونانی علوم وفنون کے علاوہ عبرانی' سریانی اور عربی زبان میں بھی خاصا درک حاصل تھا۔[۲] تاریخ نصِ قرآن (The History of the Text of the Quran) مستشرقین کی نظر میں علومِ قرآن پر ایک مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔

نولڈکے کی تحریر پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ منتشر خیالی اور غیر ضروری طوالت کے دو ستونوں پر قائم ہے۔[۳] ہمارے خیال میں اصل مسئلہ منتشر خیالی ہے جو غیر ضروری طوالت کا باعث بنا ہے۔ ایک عام سے اعتراض کو اس قدر تمہید اور طوالت کے ساتھ بیان کرے گا کہ قاری سوچتا رہ جاتا ہے کہ اس نے ان دس صفحات میں بیان کیا کیا ہے۔ اسی غیر ضروری طوالت کا نتیجہ ہے کہ اس کا تحقیقی کام تین جلدوں میں مرتب ہوا۔ اور غالباً یہ اس کی منتشر خیالی کا ہی کمال تھا کہ اس کے شاگردوں کو اس کے تحقیقی کام کو ایڈٹ کر کے شائع کرنے میں تقریباً چالیس سال لگ گئے۔

نولڈکے کا خیال ہے کہ قرآن محمد (ﷺ) کی ذاتی تصنیف ہے اور وحی آپؐ سے ایک بے قابو ہیجانی حالت میں صادر ہوتی ہے' جسے وہ uncontrollable excitement کا نام دیتا ہے۔ وحی محمد ﷺ کی اپنی ذات یا نفس سے صادر ہوتی ہے اور آسمانوں یا خدا کی طرف نازل شدہ نہیں تھی' اس کی دلیل کے بارے میں اس کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد ﷺ نڈر اور بے باک طبیعت کے حامل ایک وژنری (اپنے بارے میں بہت زیادہ خواب دیکھنے والے) انسان تھے۔ علاوہ ازیں غارِ حرا کی زاہدانہ ریاضتوں نے ان کے دماغ کو جِلا بخش دی تھی اور اس پر مستزاد یہ کہ ان کے منکرین کی مخالفت نے ان میں ایک چڑ کی کیفیت پیدا کر دی۔ یہودیت اور عیسائیت کے بارے میں بنیادی معلومات سے آپ پہلے ہی سے آگاہ تھے اور وحی' جبرائیل' کتاب وغیرہ کے تصورات سے آپؐ ناواقف نہ تھے۔[۴] ان سارے حالات میں آپؐ سے وحی ایسے صادر ہوتی تھی جیسا کہ ایک شاعر کے

سینے سے شعر نکلتا ہے۔ اگرچہ شاعر اپنے شعر کو اپنی تخلیق سمجھتا ہے' لیکن محمد ﷺ اپنی ذات سے صادر ہونے والے کلام کا صحیح تجزیہ نہ کر پائے اور جو کلام ان سے حالات کے تقاضوں کے تحت صادر ہوا تھا اسے زاہدانہ طبیعت اور سابقہ ادیان کے تصوراتِ وحی کے باعث آسمان سے خدا کی طرف سے نازل شدہ وحی سمجھ بیٹھے۔ اس کے شائع شدہ تحقیقی مقالہ کی تین جلدوں میں سے پہلی جلد کا موضوع یہی ہے' یعنی وحی کی نوعیت اور حیثیت کا تعین۔ علاوہ ازیں اس جلد میں اس نے قرآن کریم کی مکی اور مدنی سورتوں کے اسلوبِ بیان کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ مکی سورتوں کا اسلوبِ کلام شاعرانہ ہے جبکہ مدنی سورتیں طویل نثر کے اسلوب پر ہیں۔ مکی سورتوں کو اس نے مزید تین ادوار یعنی ابتدائی' وسطی اور آخری دور میں تقسیم کیا ہے۔ اس اعتبار سے اس نے قرآنی سورتوں کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ دوسری جلد دورِ نبوی' خلافت ابوبکر صدیق اور خلافت عثمان میں قرآن مجید کی جمع و تدوین کے بارے میں شکوک و شبہات سے بحث کرتی ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ جمع عثمانی مکمل وحی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس میں وحی کا ایک حصہ شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔(۵) اس میں اس نے قرآن مجید کے بارے میں اہل تشیع اور عیسائیوں کا موقف بھی بیان کیا ہے۔ تیسری جلد قراءات میں اور رسم قرآنی کے بارے میں اعتراضات پر مشتمل ہے۔ اس کے خیال میں رسم عثمانی میں بہت سی غلطیاں موجود ہیں۔

قرآنی نصوص میں اور اس کے علاوہ بھی کثرت سے ہمیں ایسے صریح دلائل ملتے ہیں جو نولڈکے کے اس نظریے کو باطل قرار دیتے ہیں کہ وحی کا باعث اللہ کے رسول ﷺ کی انفعالی کیفیات تھیں۔ اگر وحی کا مصدر و ماخذ اللہ کے رسول ﷺ کی ذات ہی ہوتی تو جب منافقین نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو آپؐ کی شدید خواہش تھی کہ کسی طرح اپنی زوجہ محترمہ کو اس الزام سے فوری طور بَری قرار دے دیں' لیکن معاملہ آپؐ کے ہاتھ میں نہیں تھا' لہٰذا براءت کی آیات کے نزول میں تقریباً ایک ماہ لگا اور اس وقت تک کے لیے آپؐ کو منافقین کی طرف سے اپنی زوجہ محترمہ سمیت شدید ذہنی کوفت برداشت کرنی پڑی۔ اسی طرح مشرکین نے جب آپؐ سے اصحاب کہف' ذوالقرنین اور روح کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا تو آپ انہیں وقت پر جواب نہ دے پائے جس وجہ سے مشرکین نے آپ کے دعوائے رسالت کو طعن و تشنیع کا موضوع بنایا۔ اس معاملے میں بھی اگر وحی آپ کے اختیار میں ہوتی تو فوراً جواب سامنے آ جاتا۔ اسی طرح حضرت جبرائیل بعض اوقات آپ ﷺ کے پاس انسانی شکل میں بھی آتے تھے' جیسا کہ حدیث جبرائیل میں ہے' اور آپؐ کو کبھی بھی یہ وہم نہ ہوا کہ آپ نے جبرائیل کی جگہ کسی دوسرے صحابی کو جبرائیل سمجھ لیا ہو۔ یہ تمام قرائن اور شہادتیں واضح کرتی ہیں کہ وحی کا مصدر آپ ﷺ کے خارج میں تھا نہ کہ آپ کی ذات میں' اور یہ خارج میں بھی وہاں جہاں آپ کا اختیار نہیں تھا' یعنی آسمان سے۔(۶)

علاوہ ازیں قرآن مجید میں بہت سی ایسی آیات ہیں جن کے معانی آخری درجے میں یہ صراحت کر رہے ہیں کہ یہ محمد ﷺ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ﴾(۷)

''(اے نبی ﷺ) یاد کریں جب آپ اس شخص کو جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی (یعنی زید رضی اللہ عنہ) کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو روکے رکھ (یعنی اسے طلاق نہ دے) اور اللہ سے ڈر' اور آپ اپنے ذات میں وہ کچھ چھپا رہے تھے کہ جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہ رہا تھا' اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے' حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔''

یہ آیت مبارکہ آپ ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ اور ان کی اہلیہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔(۸) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آپؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور آپ ﷺ کے ایماء پر ہی انہوں نے حضرت زیدؓ سے شادی کی تھی۔ جب حضرت زیدؓ نے آپؐ کو بتلایا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے عدم توافق کی وجہ سے انہیں طلاق دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے انہیں طلاق دینے سے روک دیا۔ اگرچہ آپ کے ذہن میں یہ تھا کہ اگر زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دے دی تو آپ زینبؓ سے نکاح کرنا چاہیں گے۔ لیکن یہ خواہش ایسی تھی جس کا اظہار معاشرتی دباؤ کے سبب ممکن نہ تھا' کیونکہ دور جاہلیت کا یہ رواج تھا کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھتے ہوئے اس کی مطلقہ سے شادی کو جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس پر قرآن مجید نے یہ تبصرہ کیا کہ آپ معاشرتی جبر کے سبب جس خواہش کو چھپانا چاہتے ہیں' اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اگر قرآن مجید میں سے کچھ چھپانا ہوتا تو یہ آیت ضرور چھپا لیتے۔(۹) یہ آیت مبارکہ واضح کرتی ہے کہ وحی کا منبع آپؐ کی داخلی کیفیت نہیں تھی۔

جہاں تک سورتوں کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے جمع کرنے کی کوشش کی بات ہے تو یہ کام نولڈکے کے علاوہ' بلاشیر اور رچرڈ بیل وغیرہ نے بھی کیا ہے اور ان سب کا بھی آپس میں اختلاف ہے۔ قرآن مجید کی ترتیب نزولی میں کچھ تفسیری روایات' ہمیں کتب تفسیر وحدیث میں ملتی ہیں جن کی بنیاد پر مسلمان علماء نے بھی ترتیبِ نزولی کو حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ نولڈکے وغیرہ جیسے مستشرقین کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ترتیبِ نزولی کو متعین کرنے کے لیے تفسیری روایات کی بجائے اپنے مزعومہ اصولوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں' جیسا کہ قرآنی نص کے تحلیلی جائزہ (analytical analysis) کے ذریعے اس کا زمانہ نزول متعین کرنا وغیرہ۔ اس طرح کے اصول یقینی طور کسی نص کے زمانہ نزول کو متعین نہیں کر سکتے' البتہ گمان یا احتمال کی حد تک کا علم حاصل ہو سکتا ہے اور اس احتمالی علم کی بنیاد پر کسی موقف کی بنیاد رکھنا درست نہیں ہے۔

ولیم کلیر تسدال William St. Clair Tisdall (۱۸۵۹۔۱۹۲۸ء)

ولیم کلیر تسدال William St. Clair Tisdall (۱۸۵۹۔۱۹۲۸ء) برطانوی مستشرق (orientalist) تھا جو بشمول عربی کئی ایک مشرقی زبانوں میں درک رکھتا تھا۔ وہ ایران میں قائم مشنری سوسائٹی کا چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے سیکرٹری بھی رہا۔ اس نے فارسی' ہندی' گجراتی اور پنجابی زبانوں کی گرامر بھی مرتب کی ہے۔ قرآن مجید پر The Sources of Islam اور The Original Sources of the Islam کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔(۱۰) پہلی کتاب ۱۹۰۱ء میں اسکاٹ لینڈ سے اور دوسری ۱۹۰۵ء میں نیویارک سے شائع ہوئی۔ جب ان کتب پر مولوی محمد علی اور امام فخر الاسلام نے تنقید کی تو اس کے جواب میں کلیر تسدال نے

A Word to the Wise, being a Brief Defense of the Sources of Islam کے نام سے بھی ایک کتاب مرتب کی جو ۱۹۱۲ء میں لکھنؤ' مدراس اور کولمبو سے شائع ہوئی۔ (۱۱)

کلیر تسدال کی کتاب The Original Sources of the Quran یعنی ''قرآن کے اصلی مصادر'' چھ ابواب پر مشتمل ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید وحی الٰہی یا آسمانی کتاب نہیں ہے اور یہ کتاب دورِ جاہلیت کے عرب مذاہب' عیسائیت' یہودیت' صابیت' حنفیت اور دین زرتشت کے اَفکار واَعمال کا ملغوبہ ہے۔

اس کتاب کا پہلا باب تعارفی ہے' اس باب میں اس نے قرآن مجید کو اللہ کے رسول ﷺ کی ذاتی تخلیق قرار دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر ہم سورتوں کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے جمع کریں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ قرآن مجید اور محمد ﷺ کی زندگی میں پیش آنے والے حالات وواقعات میں حد درجہ مماثلت ہے' جو اس بات کی دلیل ہے کہ محمد ﷺ ایک کامیاب زندگی کے حصول میں موقع بموقع حالات کے مطابق وحی وضع کرتے رہے (۱۲) اور اپنے متبعین کو یہ باور کراتے رہے کہ یہ آسمانوں سے خدا کی طرف سے نازل ہو رہی ہے۔

تسدال کا یہ اعتراض نہایت ہی سطحی ہے۔ قرآن مجید کی آیات کا اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت سے متعلق ہونے کا سبب بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اور ان کے متبعین کی رہنمائی چاہتے ہیں' لہٰذا آپؐ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کو جیسے حالات ومسائل کا سامنا تھا اس کے مطابق وحی نازل ہوتی رہی۔ یہ تو کسی کلام کا نقص شمار ہوگا کہ اس میں مستقبل کی رہنمائی تو ہو لیکن قوم کو درپیش حالیہ مسائل سے نکلنے کا کوئی رستہ تجویز نہ گیا ہو۔ کیا خدا کے کلام کے بارے میں ہم ایسا سوچ بھی سکتے ہیں کہ وہ جس دور اور قوم میں نازل ہو رہا ہو اس دور اور قوم دونوں کے مسائل کو نظر انداز کر دے؟ پس قرآن مجید میں محمد ﷺ اور آپ کی جماعت کو درپیش مسائل سے مسلسل خطاب (address) کرنا اس بات کی قطعاً دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ محمد ﷺ کی کتاب ہے۔

دوسرے باب میں تسدال نے یہ ثابت کیا ہے کہ محمد ﷺ کے دین کے مصادر (sources) میں پہلا اور اہم ترین مصدر دور جاہلیت کے عربوں کی رسوم ورواج اور عقائد (pagan center) ہیں۔ مثلاً محمد ﷺ نے تعددِ ازواج اور غلامی کے قوانین جاہلی عرب معاشرے سے لیے' وغیرہ۔ اس باب کا عنوان تسدال نے Ancient Influence of Arabian Beliefs and Practices رکھا ہے۔ (۱۳) قرآن مجید میں بعض ایسے عقائد' شعائر اور عادات موجود ہیں جو جاہلی معاشرے میں نمایاں تھیں' مثلاً جنّات اور فرشتوں کے وجود پر ایمان' طواف وسعی اور وقوفِ منیٰ ومزدلفہ کے شعائر' نکاح وختنہ کی عادت وغیرہ۔

یہ اعتراض بھی انتہائی سطحی نوعیت کا ہے' کیونکہ یہ امر واضح ہے کہ اہلِ عرب دین ابراہیمی پر تھے اور اس کے دعوے دار بھی تھے' لیکن وقت کے ساتھ انہوں نے بھی یہود ونصاریٰ کی طرح اپنے دین میں تحریف کر لی تھی اور دین توحید میں بت پرستی وغیرہ کو رواج دے دیا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دور جاہلیت کی جن مذہبی رسوم کو شریعتِ اسلامیہ میں برقرار رکھا تو وہ دین ابراہیمی ہی کی باقیات تھیں' جیسا کہ حج کے اکثر وبیشتر شعائر ہیں۔ عمرو بن لحی وہ پہلا شخص تھا جس نے اہل مکہ میں بت پرستی کو رواج دیا۔ (۱۴)

جہاں تک تعددِ ازواج کا معاملہ ہے تو یہ کسی بھی سماوی دین میں ممنوع نہیں رہا ہے' جیسا کہ ہم جانتے ہیں

کہ جلیل القدر انبیاء حضرات ابراہیمؑ اسماعیل اور یعقوب علیہم السلام نے ایک سے زائد شادیاں کی تھیں۔ اور غلامی کا آغاز اسلام سے نہیں ہوا' البتہ دورِ جاہلیت میں یہ رسم موجود تھی اور اسلام نے اسے حکمت کے ساتھ ختم کیا ہے نہ کہ رواج دیا ہے۔

تیسرے باب میں تسدال نے اپنے تئیں یہ ثابت کیا ہے کہ دین اسلام اور قرآن مجید کا دوسرا بڑا مصدر یہودی اور صابی افکار و اعمال ہیں۔ اس نے تیسرے باب کا عنوان Influence of Sabian and Jewish Ideas and Practices رکھا ہے۔[۱۵] تسدال کا دعویٰ یہ ہے کہ محمد ﷺ نے ایمان' جنت' جہنم' فرشتوں' شیاطین' توبہ اور جبرائیل وغیرہ کے تصورات یہودیت سے لیے ہیں تاکہ وہ ایک نیا دین مدوّن کر سکیں۔[۱۶] اس کا کہنا ہے کہ یہود عرب معاشرے میں عام تھے' لہٰذا محمد ﷺ ان کے عقائد و نظریات اور مذہب سے اچھی طرح واقف تھے۔ محمد ﷺ نے یہود میں اپنے نئے مذہب کے لیے قبولیت (acceptance) پیدا کرنے کے لیے ان کے دین سے کئی ایک چیزیں اپنی کتاب میں شامل کیں۔

چوتھے باب میں تسدال نے عیسائیت اور عیسائی لٹریچر کو قرآن مجید کا ایک مصدر قرار دیا ہے۔ اس نے اس باب کا عنوان Influence of Christianity and Christian Apocryphal Books رکھا ہے۔ اس باب میں اس نے کہا ہے کہ اگرچہ عیسائی اس طرح سے عرب میں آباد نہیں تھے جیسے کہ یہود' لیکن محمد ﷺ نے شام کے سفر تجارت کے دوران' مختلف مواقع پر عیسائی راہبوں مثلاً ورقہ بن نوفل وغیرہ سے ملاقات کے ذریعے اور نجران کے بشپ قس بن ساعدہ کے عکاظ کے میلہ میں خطابات سن کر دین عیسائیت کے عقائد و تعلیمات کے بارے میں بہت کچھ واقفیت حاصل کر لی تھی جسے انہوں نے بعد ازاں اپنی کتاب قرآن مجید میں شامل کیا۔[۱۷]

جہاں تک یہود کا تعلق ہے تو مکہ میں کوئی یہود آباد نہیں تھے' اگرچہ مدینہ میں تھے اور یہود سے آپ کی ملاقات مدینہ جا کر ہی ہوئی' جبکہ قرآن مجید کے نزول کو شروع ہوئے تیرہ برس گزر چکے تھے اور قرآن مجید کا دو تہائی حصہ نازل ہو چکا تھا۔ اسی طرح مکہ یا اس کے گرد و نواح میں عثمان بن حویرث اور ورقہ بن نوفل کے علاوہ کوئی عیسائی نہیں تھا۔ عثمان بن حویرث تو نبوت سے تین سال پہلے ہی شام چلا گیا اور وہاں جا کر ہی اس نے عیسائیت قبول کی اور قیصر کے ہاں مقام و مرتبہ حاصل کیا۔[۱۸] اور ورقہ بن نوفل سے آپ ﷺ کی پہلی ملاقات پہلی وحی کے نزول کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے ہوئی جن کے وہ چچازاد بھائی تھے۔ ورقہ بن نوفل نے آپ سے ملاقات کے دوران ایسی کوئی بات نہیں کی کہ محمد ﷺ میرے شاگرد ہیں۔ اس ملاقات میں جو مکالمہ ہوا ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ محمد ﷺ سے ورقہ کی پہلی ملاقات تھی۔ اور اسی ملاقات کے دوران ورقہ آپ ﷺ کو کیا متاثر کرتے وہ تو آپؐ سے متاثر ہو گئے اور آپ ﷺ کو اللہ کا نبی قرار دینے لگے اور آپ کی مدد کی شدید خواہش کا بھی اظہار کرنے لگے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ: يَا ابْنَ أَخِيْ مَاذَا تَرٰى؟ فَأَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَبَرَ مَا رَاٰى۔ فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ: هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِيْ نَزَّلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى [۱۹]

''ورقہ نے آپؐ سے کہا: اے میرے بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا ہے؟ تو اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں خبر دی

کہ آپؐ نے کیا دیکھا۔اس پر ورقہ بن نوفل نے کہا: یہ تو وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا۔''

نبوت سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ سے باہر دو سفر کیے ہیں اور دونوں شام کی طرف تجارت کی غرض سے تھے۔ایک تو لڑکپن کی عمر میں تھا۔اللہ کے رسول ﷺ کی عمر اس وقت بارہ سال تھی جب شام کی طرف پہلے سفر کے دوران آپ ﷺ کی ملاقات ایک عیسائی راہب بحیرہ سے ہوئی اور یہ بھی مختصر وقت کے لیے تھی اور اس نے آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی بھی دی۔پس وہ آپ ﷺ کو کیا متاثر کرتا وہ تو آپؐ سے اثر قبول کر رہا تھا۔اس نے آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے مابین مہر نبوت کی تصدیق بھی کی۔[۲۰] دوسرا تجارتی سفر آپ ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خواہش پر کیا۔[۲۱] جبکہ نبوت کا دعویٰ آپ ﷺ نے اس سے پندرہ سال بعد چالیس برس کی عمر میں کیا۔یہاں مستشرقین اپنا نظریہ احتمال (Theory of Probability) استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سفر شام میں آپ کی بہت سے عیسائی راہبوں سے ملاقات ہوئی ہوگی اور آپ نے ان سے عیسائیت کے بارے میں بہت کچھ سیکھا ہوگا' وغیرہ۔کتب سیرت میں ہمیں صرف اتنی تفصیل ملتی ہے کہ اس سفر کے دوران حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایک غلام میسرہ آپ کے ساتھ تھا اور راستے میں ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کے دوران ایک راہب نے غلام میسرہ سے آپ ﷺ کے بارے میں سوال کیا تو غلام نے بتلایا کہ آپؐ ایک قریشی نوجوان ہیں اور اہلِ حرم میں سے ہیں تو اس راہب نے آپ ﷺ کے نبی ہونے کی بشارت دی۔[۲۲]

پانچویں باب میں تسدال نے یہ ثابت کیا ہے کہ ایرانی زرتشتی مذہب کے بھی بعض عناصر قرآن مجید میں ملتے ہیں۔اس نے اس باب کا عنوان Zoroastrian Elements in the Qur'an and Traditions of Islam رکھا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ مذہب زرتشت میں ایسی کہانیاں مشہور ہیں کہ ان کے نبی زرتشت نے آسمانوں کا سفر کیا' جنت اور مقدس درخت کا نظارہ کیا اور بعد ازاں اس کے احوال بھی بیان کیے۔اور غالب امکان یہی ہے کہ پیغمبر اسلام نے پارسی مذہب کی انہی کہانیوں سے اپنے لیے سفر معراج کا تصور وضع (develop) کیا تھا۔[۲۳]

اگر ہم تسدال کی عبارت پر غور کریں تو یہاں بھی اس نے نظریہ احتمال ہی بطور دلیل نقل کیا ہے کہ اہلِ عرب ایرانی مذہب کی معروف کہانیوں اور تصورات سے واقف ہوں گے اور یہی واقفیت اللہ کے رسول ﷺ کی زرتشتی مذہب سے استفادہ کی بنیاد بنی ہوگی۔تسدال نے اپنی عبارت میں probability کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔[۲۴]

اس کتاب کے چھٹے باب کا موضوع یہ ہے کہ قرآن مجید کے مصادر میں سے ایک اہم مصدر عرب کے حنفاء اور ان کے افکار بھی ہیں۔حنفاء' حنیف کی جمع ہے اور یہ وہ لوگ تھے جو دور جاہلیت میں بھی توحید پر قائم تھے۔ تسدال نے اس باب کا عنوان The Hanifs and their Influence upon Nascent Islam قائم کیا ہے۔اس کا کہنا یہ ہے کہ دین حنیفیت کے جتنے بنیادی اصول وضوابط ہیں' مثلاً وحدانیت کا اقرار' بُت پرستی کا انکار' جنت وجہنم پر ایمان' بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی مذمت' اللہ کے صفاتی ناموں رب' رحمان اور غفور وغیرہ کا استعمال' یہ سب ہمیں قرآن مجید میں نظر آتے ہیں۔[۲۵] تسدال کا کہنا یہ بھی ہے کہ حنفاء کی ایک جماعت آپ ﷺ کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی لہٰذا ان کے افکار کا آپ پر اثر چھوڑنا ایک فطری امر تھا' مثلاً عثمان بن

حویرث اور ورقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کزن تھے اور عبید اللہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے تھے۔[۲۶]

عثمان بن حویرث کے بارے میں ہم ابن ہشام رحمہ اللہ کا یہ بیان نقل کر چکے ہیں کہ وہ نبوت سے تین سال پہلے شام منتقل ہو گیا تھا اور اس نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ پر اس کے اثرات کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے سوائے نظریہ احتمال کے' اور ورقہ بن نوفل نے بھی عیسائیت قبول کر لی تھی۔ محمد ﷺ کے اعلانِ نبوت کے وقت نابینا اور انتہائی بوڑھے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی پہلی دفعہ ان سے ملاقات پہلی وحی کے نزول کے بعد ہوئی' جیسا کہ ہم پیچھے نقل کر چکے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہودیت' عیسائیت' دینِ ابراہیمی اور دینِ محمدی ﷺ میں بہت سی تعلیمات مشترک ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مصدر ایک ہے' یعنی وحی الٰہی۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

((وَالْاَنْبِيَاءُ اِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ ، اُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ)) [۲۷]

''انبیاء علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں۔ ان کی مائیں (شریعتیں) جدا ہیں جبکہ ان کا (باپ) دین ایک ہے۔''

رچرڈ بیل Richard Bell (۱۸۷۶۔۱۹۵۲ء)

رچرڈ بیل Richard Bell (۱۸۷۶۔۱۹۵۲ء) ایک برطانوی مستشرق تھا۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء کے مابین اس نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ The Quran: Translated with a Critical Rearragnement of the Surahs شائع کیا۔ اور ۱۹۵۳ء میں اپنا مشہور مقدمہ Introduction to the Quran شائع کیا جو ۱۹۷۰ء میں منٹگمری واٹ Montgomery Watt (۱۹۰۹۔۲۰۰۶ء) کی نظر ثانی کے ساتھ دوبارہ شائع ہوا۔ اس کی ایک اور معروف کتاب The Origin of Islam in its Christian Enviorment کے نام سے بھی ہے جو ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ تینوں کتابیں ایڈنبرگ یونیورسٹی پریس نے شائع کی ہیں۔ رچرڈ بیل' یونیورسٹی آف ایڈنبرگ' برطانیہ میں عربی زبان کا استاذ رہا ہے۔[۲۸]

رچرڈ بیل نے اپنے مقدمہ کو دس فصول میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی فصل میں اس نے اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے کے احوال و نظریات کو بیان کیا ہے۔ اس میں اس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قرآنی اسلوبِ کلام یہودیت' عیسائیت' حنیفیت' زرتشتی مذہب سے متاثر ہے۔[۲۹] اس اعتراض کا جواب کلیر تسدال کے بیان میں گزر چکا ہے۔ دوسری فصل نزول و جمع قرآن کے بارے میں ہے۔ اس فصل میں اس نے قرآن مجید میں کمی بیشی کا دعویٰ کیا ہے اور دلیل کے طور قراءاتِ متواترہ اور شاذہ کو بیان کیا ہے۔ ان قراءات کے بیان سے وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ آپس میں مصاحفِ قرآنیہ کا اختلاف تھا۔[۳۰] اس اعتراض کا بیان آرتھر جیفری کے بیان میں نقل ہو گا کیونکہ اس کا یہ تخصص (specialization) تھا۔ تیسری فصل قرآن مجید کی پاروں' احزاب' سورتوں میں تقسیم کے بارے میں ہے۔ اس تقسیم کے بارے میں اس کا کہنا ہے کہ یہ تلاوت کی غرض سے تھی۔ اسی فصل میں اس نے معوذتین کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف بیان کیا ہے کہ وہ انہیں قرآن مجید کا حصہ نہیں مانتے تھے۔[۳۱]

چوتھی فصل میں رچرڈ بیل نے اسلوب قرآن کو موضوع بحث بنایا ہے اور اس کا کہنا یہ ہے کہ قرآنی اسلوبِ

کلام کاہنوں کے اسلوب کلام 'سجع' پر قائم ہے۔[۳۲] اس اعتراض کا جواب ہم آگے چل کر نقل کریں گے۔ پانچویں فصل میں اس نے سورتوں کو موضوع بحث بنایا ہے اور قصر وطول' عبارتوں کی تکرار اور نحو قرآنی پر گفتگو کی ہے۔ بعض مقامات پر وہ قرآن مجید کی کچھ عبارتوں میں اضافے بھی تجویز کرتا ہے کیونکہ اس کے بقول وہ عبارات نامکمل ہیں اور یہ اضافے ان کی تکمیل کا باعث ہیں۔[۳۳] چھٹی فصل میں رچرڈ بیل نے قرآن مجید کی ترتیب نزولی پر گفتگو کی ہے' جبکہ ساتویں فصل قرآن مجید کی بعض مخصوص آیات کے معانی ومفاہیم کی وضاحت پر مبنی ہے۔ یہاں اس نے بعض مقامات پر قرآن مجید میں انجیل سے استفادہ کی علامات دکھانے کی کوشش کی ہے۔[۳۴]

آٹھویں فصل کا مبحث قرآن مجید کے موضوعات اور ان کے مصادر ہیں' جس میں اس نے قرآن مجید کے تصورِ توحید' اسماء وصفات کے مصادر متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔[۳۵] نویں فصل قرآنی قصص اور ان کے یہودیت وعیسائیت سے ماخوذ ہونے کے بارے میں ہے' جبکہ دسویں فصل شریعت اسلامیہ مثلاً نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' سود' شراب اور جوا وغیرہ کے بارے میں ہے۔[۳۶] رچرڈ بیل کے اعتراضات کو ہم منٹگمری واٹ کے بیان میں موضوع بحث بنائیں گے' کیونکہ بیل کی یہ کتاب منٹگمری واٹ کی نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

آرتھر جیفری Arthur Jeffery (۱۸۹۲۔۱۹۵۹ء)

آرتھر جیفری Arthur Jeffery (۱۸۹۲۔۱۹۵۹ء) کینیڈین نژاد آسٹریلین مستشرق تھا۔ کولمبیا یونیورسٹی' نیویارک میں سامی زبانوں (Semetic Languages) کا پروفیسر رہا ہے۔ مشرق وسطیٰ کے اسلامی مخطوطات (manuscripts) کو اس نے اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا۔ قرآن مجید پر بھی اس کا کافی کام ہے جن میں Materials for the History of the Text of the Quran اور The Foreign Vocabulary of the Quran اہم کتب ہیں۔ علاوہ ازیں تحقیقات میں The The Textual History of the Qur'an, Mystic Letters of the Koran, A Variant Text of the Fatiha اور The Orthography of the Samarqand Codex مقالہ جات اہم ہیں۔[۳۷]

ان کتابوں میں جیفری کی معروف ترین کتاب Materials for the History of the Text of the Qur'an ہے جو ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی کتاب 'کتاب المصاحف' کو بنیاد بنا کر لکھی گئی ہے۔ آرتھر جیفری کی تمام کتابوں اور مقالہ جات کا مرکزی خیال تقریباً ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ بائبل کی طرح قرآن مجید بھی کوئی مستند مذہبی کتاب نہیں ہے۔ آرتھر جیفری نے ابن ابی داؤد کی کتاب 'کتاب المصاحف' کو ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے شروع میں اس نے اپنے عربی مقدمے میں قرآن کے بارے میں کئی ایک فرسودہ خیالات و نظریات کا اظہار کیا ہے۔ آرتھر جیفری کی تحقیق سے مزین 'کتاب المصاحف' ۱۹۳۷ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔ اس اشاعت کے شروع میں اس نے اپنی کتاب Materials کو بھی شائع کیا۔ یہ کتاب ۶۰۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ بعد ازاں ۱۹۶۰ء' ۱۹۶۳ء اور ۱۹۷۵ء میں بھی یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔

آرتھر جیفری کا کہنا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں قرآن تحریری شکل میں موجود نہیں تھا[۳۸] اور اپنے اس موقف کی بنیاد اس نے ایک روایت کو بنایا ہے جس کے الفاظ ہیں:

قبض رسول اللّٰہ ﷺ ولم یکن القرآن جمع فی شیء(۳۹)

''اللہ کے رسول ﷺ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ قرآن مجید کسی چیز میں جمع نہیں کیا گیا تھا۔''

اس روایت میں قرآن مجید کے ایک جگہ جمع ہونے کا مسئلہ زیر بحث ہے نہ کہ کتابت کا' لہٰذا آرتھر جیفری کا استدلال درست نہیں ہے۔ اور یہ بات درست ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں قرآن مجید ایک کتاب کی صورت میں بین الدَّفَّتَین جمع نہیں کیا گیا بلکہ متفرق اجزاء کی صورت میں لکھا ہوا موجود تھا۔ صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی زندگی میں قرآن مجید لکھا کرتے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا:

مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ ﷺ؟ قَالَ: اَرْبَعَةٌ' كُلُّهُمْ مِنَ الْاَنْصَارِ: اُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاَبُوْ زَیْدٍ (۴۰)

''اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں کس نے قرآن مجید جمع کیا؟ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: چار لوگوں نے' اور وہ چاروں انصاری ہیں: اُبی بن کعب' معاذ بن جبل' زید بن ثابت اور ابوزید (رضی اللہ عنہم)۔''

آرتھر جیفری کا کہنا یہ بھی ہے کہ مستشرقین کی تحقیق کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے تھے' جیسا کہ رچرڈ بیل اور ٹوری Charles Cutler Torrey (۱۸۶۳۔۱۹۵۶ء) دونوں نے یہ بات کی ہے۔ اس بنیاد پر آرتھر جیفری نے لکھا ہے کہ مغربی اسکالرز کی تحقیق کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ مسلمانوں کے لیے اپنی زندگی کے آخری حصے میں ایک کتاب مرتب کر رہے تھے۔(۴۱)

میکسم روڈنسن Maxime Rodinson (۱۹۱۵۔۲۰۰۴ء) اور منٹگمری واٹ کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ایک تاجر تھے اور تجارت کے پیش نظر آپ کو حساب کتاب کے لیے لکھنے پڑھنے کی ضرورت تھی لہٰذا آپ پڑھے لکھے تھے۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کے لیے 'اُمی' کا جو لفظ استعمال ہوا تو منٹگمری واٹ کے نزدیک اس سے مراد 'غیر یہودی' ہے نہ کہ ان پڑھ۔(۴۲)

یہ بات درست نہیں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۝۴۸﴾(۴۳)

''اور آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ ہی اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن کو باطل قرار دینے والے ضرور شک میں پڑ جاتے (یعنی تب تو انہیں شک کرنے کی گنجائش تھی)۔''

اگر تو اللہ کے رسول ﷺ لکھنا جانتے ہوتے تو مشرکین مکہ اس آیت کو سنتے ہی شور مچا دیتے۔ اس آیت کی قرآن مجید میں موجودگی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ ﷺ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔

آرتھر جیفری کا کہنا یہ بھی ہے چونکہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں قرآن مجید تحریری صورت میں موجود نہیں تھا لہٰذا اس میں کمی بیشی کے تمام امکانات موجود تھے' لیکن جب آپ ﷺ کی وفات ہوگئی تو اب یہ امکانات ختم ہو گئے۔(۴۴) اس اعتراض کا جواب ہم پہلے ہی نقل کر چکے ہیں کہ یہ دعویٰ ہی درست نہیں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں قرآن مجید تحریری صورت میں موجود نہیں تھا۔

حضرت ابوبکر ؓ کے زمانے میں جمع قرآن کے کام کے بارے میں آرتھر جیفری کا خیال یہ ہے کہ یہ ایک ذاتی جمع تھی نہ کہ سرکاری۔ اس کے گمان میں سرکاری سطح پر قرآن کی جمع کا کام حضرت عثمان ؓ کے دور میں شروع ہوا۔ آرتھر جیفری نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ بعض اسکالرز کی تحقیق کے مطابق حضرت زید بن ثابت ؓ نے جمع قرآن کا کام صرف حضرت عثمان ؓ کے لیے کیا تھا' لیکن چونکہ حضرت عثمان ؓ کی شخصیت متنازع تھی لہٰذا بعض صحابہ ؓ نے جمع قرآن کے کام کی نسبت حضرت ابوبکر ؓ کی طرف کرنے کے لیے کچھ ایسی روایات وضع کر لیں جن کے مطابق حضرت زید بن ثابت ؓ کو حضرت ابوبکر ؓ کے زمانے میں جمع قرآن پر مامور کیا گیا تھا۔(۴۵)

حضرت ابوبکر ؓ کی جمع قرآن کو ذاتی جمع قرار دینا قطعاً غلط ہے۔ متفق علیہ روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ جمع سرکاری تھی۔ حضرت عمر ؓ کی خواہش پر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زید بن ثابت ؓ ایک جگہ قرآن جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔(۴۶) آرتھر جیفری نے اپنی کتاب Material میں کتاب المصاحف کے اس حصے کو بنیاد بنایا ہے کہ جس میں مختلف صحابہؓ اور تابعینؒ کے مصاحف کا تذکرہ ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں مسلمانوں کا کسی ایک قرآن پر اتفاق نہ تھا' بلکہ ان میں سے اکثر کے پاس اپنا ذاتی مصحف تھا اور یہ ذاتی مصحف ایک ایسے قرآن پر مشتمل تھا جو دوسرے کے پاس موجود نہ تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ ہمیں روایات و آثار سے پندرہ صحابہ اور تیرہ تابعین کے ان ذاتی مصاحف کا پتا چلتا ہے جن کی آیات مصحف عثمانی اور مروّجہ قراءات کے خلاف ہیں۔ آرتھر جیفری نے حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت ابی بن کعب' حضرت علی' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت حفصہ' حضرت انس بن مالک' حضرت عمر' حضرت زید بن ثابت' حضرت عبداللہ بن زبیر' حضرت عبداللہ بن عمرو' حضرت عائشہ' حضرت سالم' حضرت ام سلمہ اور حضرت عبید بن عمیر (ﷺ) تابعین میں سے حضرت اسود' حضرت علقمہ' حضرت حطان' حضرت سعید بن جبیر' حضرت طلحہ' حضرت عکرمہ' حضرت مجاہد' حضرت عطاء بن ابی رباح' حضرت ربیع بن خیثم' حضرت اعمش' حضرت جعفر صادق' حضرت صالح بن کیسان اور حضرت حارث بن سوید (ﷺ) کے مصاحف کا ذکر کیا ہے۔(۴۷)

آرتھر جیفری نے اپنی کتاب Materials میں جنہیں مصاحف قرار دیا ہے وہ دراصل صحابہ کرامؓ سے مروی قراءات کی روایات ہیں اور قراءات کا اختلاف یا تنوّع اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہم یہاں یہ بھی واضح کرتے چلیں کہ آرتھر جیفری نے کتاب المصاحف کی بنیاد پر قراءات کے جو بے شمار اختلافات نقل کیے ہیں' ان میں سے اکثر و بیشتر روایات منقطع اور ضعیف ہیں۔(۴۸) اور منقطع اور ضعیف روایت کی بنیاد پر کسی مصحف یا قراءت کی نسبت کسی صحابی کی طرف کرنا ہمارے نزدیک کوئی علمی رویہ اور اسلوب نہیں ہے۔ صحابہ و تابعین کی مذکورہ بالا جماعت میں سے دو صحابہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور اُبی بن کعب ؓ کے بارے میں روایات میں ان کے کسی ذاتی مصحف کا تذکرہ ملتا ہے۔

ابن ندیم رحمہ اللہ (متوفی ۴۳۸ھ) نے مصحف عبداللہ بن مسعود ؓ کا ذکر کیا ہے اور اس کی سورتوں کی جو فہرست پیش کی ہے اس میں نو سورتیں غائب ہیں' جو سورۃ الفاتحہ' سورۃ الحجر' سورۃ الکہف' سورۃ طٰہٰ' سورۃ النمل'

سورۃ الشوریٰ' سورۃ الزلزال' سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ہیں۔ اس روایت کے راوی فضل بن شاذان (متوفی ۲۶۰ھ) ہیں جو ایک شیعہ فقیہ اور متکلم ہیں۔ (۴۹) اس روایت کے آخر میں ہے کہ یہ کل ملا کر ۱۱۰ سورتیں ہوئیں جبکہ اس روایت میں ۱۰۵ سورتوں کے نام نقل ہوئے ہیں۔ (۵۰) علاوہ ازیں فضل بن شاذان کے حالات زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تیسری صدی ہجری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کا کوئی مصحف دیکھا اور تیسری صدی ہجری میں کسی مصحف کا مشاہدہ یہ ثابت نہیں کرتا کہ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کا مصحف ہے۔ ابن ندیم (متوفی ۴۳۸ھ) کا کہنا یہ بھی ہے کہ میں نے اپنے زمانے چوتھی/ پانچویں صدی ہجری میں کئی ایک ایسے مصاحف دیکھے ہیں جن کے بارے میں لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف ہے' لیکن ان میں سے دو مصحف بھی آپس میں نہیں ملتے۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ میں نے دو سو سال پرانا ایک مصحف دیکھا ہے جس کی نسبت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف کی جاتی ہے اور اس میں سورۃ الفاتحہ بھی موجود ہے۔ (۵۱)

امام سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) نے 'الاتقان' میں مصحف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں سورتوں کی جو تعداد نقل کی ہے اس میں سورۃ الفاتحہ اور معوذتین موجود نہیں ہیں (۵۲) جبکہ ابن ندیم نے جو مصحف دیکھا اس میں سورۃ الفاتحہ بھی موجود تھی۔ اس بحث کا خلاصہ کلام وہی ہے جو ابن ندیم نے نکالا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کے بارے میں مروی روایات میں سے کوئی دو روایات یا ان کی طرف منسوب مصاحف میں سے کوئی دو مصحف بھی آپس میں متفق نہیں ہیں۔ پس ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف ان مصاحف یا روایات کی نسبت میں اضطراب ہے اور مضطرب روایت محدثین کے ہاں 'ضعیف' ہی کی ایک قسم ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ مصحف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں وہی قراءات موجود تھیں جو ان سے سینہ بسینہ صحیح و متواتر سند کے ساتھ آج تک قراء نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور روایت حفص بھی انہی میں سے ایک ہے۔ ان میں سے چند ایک اسناد ماہنامہ رشد جون ۲۰۰۹ء' ص ۱۹۵ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

مصحف اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ ان کا ذاتی مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ضبط کر لیا تھا۔ جمع عثمانی سے قبل حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مصحف کیسا تھا یا کن سورتوں پر مشتمل تھا یا اس کا رسم الخط کیا تھا؟ اس بارے میں ہمیں کوئی مستند روایت نہیں ملتی۔ جو آثار اس مصحف کے احوال کے بارے میں مروی ہیں وہ باہم متضاد ہیں' لہٰذا مضطرب المتن ہونے کی وجہ سے ناقابلِ قبول اور ضعیف ہیں۔ (۵۳)

ابن ندیم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف میں موجود سورتوں کی ترتیب مصحف عثمانی کے برعکس نقل کی ہے۔ اس ترتیب کے مطابق ان کے مصحف میں مصحف عثمانی کے بالمقابل ۱۰ سورتیں یعنی سورۃ العنکبوت' سورۃ لقمان' سورۃ الدخان' سورۃ الذاریات' سورۃ التحریم' سورۃ المزمل' سورۃ المدثر' سورۃ البلد اور سورۃ العصر غائب ہیں۔ علاوہ ازیں دو سورتوں سورۃ الخلع اور سورۃ الجید کا اضافہ بھی ہے۔ (۵۴) اس روایت میں کل ۱۰۶ سورتوں کا بیان ہے' حالانکہ روایت کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ کُل ۱۱۶ سورتیں ہوئیں۔ یعنی مصحف ابن مسعود والی روایت کی مانند یہ روایت بھی اپنی تکذیب خود ہی کر رہی ہے۔ (۵۵)

امام سیوطی نے 'الاتقان' میں مصحف ابی بن کعبؓ کی سورتوں کی جو ترتیب بیان کی ہے وہ ابن ندیم کی

ترتیب سے مختلف ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے یہ روایت ابن اُشتہ رحمہ اللہ (متوفی ۴۹۱ھ) سے نقل کی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب 'کتاب المصاحف' میں بیان کی ہے۔ ابن اُشتہ کی یہ کتاب اس وقت مفقود ہے لہٰذا اس خبر کی بنیاد ہمارے پاس 'الاتقان' ہی ہے۔ ابن اُشتہ نے یہ روایت محمد بن یعقوب سے' انہوں نے ابوداؤد سے اور انہوں نے ابوجعفر الکوفی سے نقل کی ہے۔ اور ابوجعفر الکوفی کی وفات ۲۴۸ھ میں ہوئی۔

ابن اشتہ کی بیان کردہ اس فہرست میں مصحف عثمانی کے بالمقابل ۱۰۶ سورتوں کا بیان ہے اور ۸ سورتیں یعنی سورۃ الفرقان' سورۃ فاطر' سورۃ الزخرف' سورۃ القمر' سورۃ المجادلہ' سورۃ الانسان اور سورۃ البروج وغیرہ غائب ہیں۔ علاوہ ازیں دو سورتوں سورۃ الخلع اور سورۃ الحفد کا اضافہ بھی ہے۔(۵۶) یہ دونوں روایات مضطرب ہونے کی وجہ سے نا قابلِ قبول ہیں۔

کتاب المصاحف ہی کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مصحف اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کے لیے بھی اس مصحف کو دیکھنا ممکن نہیں رہا تھا چہ جائیکہ کوئی سینکڑوں سال بعد مصحف ابی بن کعب کو دیکھنے کا دعویٰ کرے۔ جب اہلِ عراق کی ایک جماعت محمد بن ابی رحمہ اللہ کے پاس آئی تا کہ وہ انہیں اپنے والد محترم کا مصحف دکھا سکیں تو انہوں نے کہا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لے لیا تھا۔ انہوں نے دوبارہ یہی مطالبہ کیا تو محمد بن ابی رحمہ اللہ نے دوبارہ یہی جواب دیا۔(۵۷)

(جاری ہے)

مصادر و مراجع

۱۔ عمر بن ابراهيم رضوان الدكتور' آراء المستشرقين حول القرآن الكريم وتفسيره' دار طيبة' الرياض' ۱۹۹۲ء' ۱۸۶/۱۔

2- Theodor Noldeke, accessed 29 March 2013, <http://en.wikipedia.org/wiki/N%C3%B6ldeke>.

۳۔ ہماری مراد اس کی وہ تحریریں ہیں جو انگریزی میں مترجم ہیں۔

4- How these revelations actually arose in Muhammad's mind is a question which is almost as idle to discuss as it would be to analyze the workings of the mind of a poet. In his early career, sometimes perhaps in its later stages also, many revelations must have burst from him in uncontrollable excitement, so that he could not possibly regard them otherwise than as divine inspirations. We must bear in mind that he was no cold systematic thinker, but an Oriental visionary, brought up in crass superstition, and without intellectual discipline; a man whose nervous temperament had been powerfully worked on by ascetic austerities, and who was all the more irritated by the opposition he encountered, because he had little of the heroic in his nature. Filled with his religious ideas and visions he might well fancy he heard the angel bidding him to recite what was said to him.(Theodor Noldeke, The Quran: An Introductory Eassy, USA: Interdiciplinary Biblical Research Institute, 1992, p. 5)

5- Uthman's Qur'an was not complete. Some passages are evidently fragmentary; and a few detached pieces are still extant which were originally parts of the Qur'an, although they have been omitted by Zaid. (Ibid, p. 23)

٦۔ آراء المستشرقين: ١/٣٨٨۔٣٨٩۔ ٧۔ الأحزاب:٣٣:٣٧۔

٨۔ بخاری ،محمد بن اسماعیل إمام،صحیح البخاری،کتاب تفسیر القرآن،باب قوله تعالی وتخفی فی نفسك ماالله مبديه، دار طوق النجاة، بيروت، ١٤٢٢ھ،٦/١١٧۔

٩۔ أحمد بن حنبل امام، مسند أحمد، مؤسسة الرسالة، بيروت، ٢٠٠١ء،٤٣/٣٢٤۔

10- William St. Clair Tisdall, accessed 28 March 2013, <http://en.wikipedia.org/wiki/William_St._Clair_Tisdall>.

11- William St. Clair Tisdall , accessed 28 March 2013, <http://www.answering-islam.org/Books/Tisdall/WW/index.htm>.

12- When the Surahs are arranged in the chronological order of their composition and compared with the events in Muhammad's life, we see that there is much truth in the statement that the passages were—not, as Muslims say, revealed, but—composed from time to time, as occasion required, to sanction each new departure made by Muhammad. The Qur'an is a faithful mirror of the life and character of its author. It breathes the air of the desert, it enables us to hear the battle-cries of the Prophet's followers as they rushed to the onset, it reveals the working of Muhammad's own mind, and shows the gradual declension of his character as he passed from the earnest and sincere though visionary enthusiast into the conscious impostor and open sensualist. (The Original Sources of the Quran, William St. Clair Tisdall, accessed 28 March 2013, <http://www.answering-islam.org/Books/Tisdall/Sources/chap 1.htm>.)

13- It is clear, from all that has been said, that the first source of Islam is to be found in the religious beliefs and practices of the Arabs of Muhammad's day. From this heathen source, too, Islam has derived the practice of Polygamy and that of slavery, both of which, though adding nothing to their evil effects in other respects, Muhammad sanctioned for all time by his own adoption of them. (The Original Sources of the Quran, William St. Clair Tisdall, accessed 28 March 2013,<http://www.answering-islam.org/Books/Tisdall/Sources/chap2.htm >.)

١٤۔آراء المستشرقين: ١/٢٤٤۔٢٤٥۔

15- The Original Sources of the Quran, William St. Clair Tisdall, accessed 28 March 2013,<http://www.answering-islam.org/Books/Tisdall/Sources/index.htm>.

16- Faith, Repentance, Heaven and Hell, the Devil and his Angels, the heavenly Angels, Gabriel the Messenger of God, are specimens acquired from some Jewish source, either current or ready for adoption. Similarly familiar were the stories of the Fall of Man, the Flood, the destruction of the Cities of the Plain, &c. — so that there was an extensive substratum of crude ideas bordering upon the spiritual, ready to the hand of Muhammad.

17- In his youth, we are told, Muhammad heard the preaching of Quss, the Bishop of

Najran, and he met many monks and saw much of professing Christians when he visited Syria as a trader before his assumption of the prophetic office. (The Original Sources of the Quran, William St. Clair Tisdall, accessed 28 March 2013, <http://www.answering-islam.org/Books/Tisdall/Sources/chap4.htm >.)

١٨ـ ابن هشام جمال الدين عبد الملك‘السيرة النبوية‘ شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى‘مصر‘١٩٥٥ء‘٢٢٤/١ـ

١٩ـ بخارى ‘صحيح البخارى‘كتاب بدء الوحى‘باب كيف كان بدء الوحى‘٧/١ـ

٢٠ـ السيرة النبوية: ١٨٢/١ـ ٢١ـ السيرة النبوية:١٨٨/١ـ ٢٢ـ السيرة النبوية:١٨٨/١ـ

23- It may be safely concluded that, since the tales of the kings of Persia were of interest to the Arabs and they had heard of Rustam and Isfandiyar, they are unlikely to have been quite ignorant of the story of Jamshid. Nor is it *probable* that the Persian fables regarding the ascension to heaven of Arta Viraf and of Zoroaster before him, their descriptions of Paradise and the Bridge of Chinvat and tile tree Hvapah, the legend of Ahriman's coming up out of primaeval darkness, and many other such marvellous tales, had remained entirely unknown to the Arabs. If they were known, it was natural that Muhammad should have made some use of them, as he did of Christian and Jewish legends. (The Original Sources of the Quran, William St. Clair Tisdall, accessed 28 March 2013, <http://www.answering-islam.org/Books/Tisdall/Sources/chap5.htm >.)

24- Ibid.

25- Everyone of the main principles which we have found mentioned as inculcated by Zaid is dwelt upon in the Qur'an also. Among these may be instanced: (1) the prohibition of killing infant daughters by burying them alive, according to the cruel custom of the Arabs of the time; (2) the acknowledgment of the Unity of God; (3) the rejection of idolatry and the worship of Al-Lat, Al-'Uzza' and the other deities of the people; (4) the promise of future happiness in Paradise or the "Garden", (5) the warning of the punishment reserved in hell for the wicked; (6) the denunciation of God's wrath upon the "Unbelievers"; and (7) the application of the titles Ar Rahman (the Merciful), Ar Rabb (the Lord), and Al Ghafur (the Forgiving) to God. Moreover, Zaid and all the other reformers (Hanifs) claimed to be searching for the "Religion of Abraham." Besides all this, the Qur'an repeatedly15, though indirectly16, speaks of Abraham as a Hanif, the chosen title of Zaid and his friends. (The Original Sources of the Quran, William St. Clair Tisdall, accessed 28 March 2013, <http://www.answering-islam.org/Books/Tisdall/Sources/chap6.htm >.)

26- Moreover, 'Ubaidu'llah was a son of a maternal aunt of Muhammad, and the latter married this reformer's widow, as we have already seen. Two others, Waraqah and 'Uthman, were cousins of his first wife Khadijah.(The Original Sources of the Quran, William St. Clair Tisdall, accessed 28 March 2013, <http://www.answering-islam.org/Books/Tisdall/Sources/chap6.htm >.)

٢٧۔ صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول الله تعالی واذکر فی الکتاب مریم، ١٦٧/٤۔

٢٨۔ آراء المستشرقین: ١٠٠/١۔١٠١۔

٢٩۔آراء المستشرقین: ١٠١/١۔

٣٠۔ آراء المستشرقین: ١٠٢/١۔

٣١۔أیضاً۔

٣٢۔ أیضاً۔

٣٣۔آراء المستشرقین:١٠٣۔

٣٤۔ آراء المستشرقین:١٠٤۔

٣٥۔أیضاً۔

٣٦۔آراء المستشرقین:١٠٥۔

37- Arthur_Jeffery , accessed 04 April 2013, <http://en.wikipedia.org/wiki/Arthur_ Jeffery>.

38- To begin with it is quite certain that when the Prophet died there was no collected, collated, arranged body of material of his revelations. What we have is what could be gathered together somewhat later by the leaders of the community when they began to feel the need of a collection of the Prophet's proclamations and by that time much of it was lost, and other portions could only be recorded in fragmentary form. There is a quite definite and early Tradition found in several sources which says, "The Prophet of Allah was taken before any collection of the Qur'an had been made. (< http://www.bible.ca/islam/library/Jeffery/thq.htm>.)

٣٩۔ السیوطی جلال الدین عبد الرحمن بن أبی بکر، الإتقان فی علوم القرآن، الهیئة المصریة العامة، مصر، ١٩٧٤ء، ٢٠٢/١۔

٤٠۔ صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب القراء من أصحاب النبی، ١٨٧/٦۔

41- Muslim orthodoxy holds that the Prophet himself could neither read nor write. But in our generation both Professor Torrey of Yale and Dr. Richard Bell of Edinburgh, working independently of each other, have concluded that the internal evidence in the Qur'an itself points to the fact that he could write, and that for some time before his death he been busy preparing material for a Kitab, which he would leave to his people as their Scripture, to be to them what the Torah was to the Jews or the Injil to the Christians. There is, indeed, an uncanonical tradition current among the Shi'a, that the Prophet had made a collection of passages of his revelations written on leaves and silk and parchments, and just before his death told his son-in-law Ali where this material was kept hidden behind his couch, and bade him take it and publish it in Codex form. It is not impossible that there was such a beginning at a collection of revelation material by the Prophet himself, and it is also possible that Dr. Bell may be right in thinking that some at least of this material can he detected in our present Qur'an. (Ibid.)

42- W. Montgomery Watt, Muhammad at Mecca, Chapter 3: Religion In Pre-Islamic Arabia, p26-53.

٤٣۔ العنکبوت:٢٩:٤٨۔

44- Nevertheless there was certainly no Qur'an existing as a collected, arranged, edited book, when the Prophet died…Here, however, we have our first stage in the history of the text of the Qur'an. There could not be a definitive text while the Prophet was still alive, and abrogation of earlier material or accessions of fresh material were always possible.(Ibid.)

45- Modern criticism is willing to accept the fact that Abu Bakr had a collection of revelation material made for him, and maybe, committed the making of it to Zaid b. Thabit. It is not willing to accept, however, the claim that this was an official recension of the text. All we can admit is that it was a private collection made for the first Caliph Abu Bakr. Some scholars deny this, and maintain that Zaid's work was done for the third Caliph, Uthman, but as 'Uthman was persona non grata to the Traditionists, they invented a first recension by Abu Bakr so 'Uthman might not have the honour of having made the first Recension. (Ibid.)

٤٦۔ صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ۱۸۳/٦۔

47- Materials for the History of the Text of the Quran, Arthur Jeffery, accessed 04April 2013,<http://www.bible.ca/islam/library/Jeffery/Materials/index.htm>.

۴۸۔ ماہنامہ رشد قراءات نمبر حصہ سوم، آرتھر جیفری اور کتاب المصاحف، حافظ محمد زبیر، مجلس تحقیق اسلامی، لاہور، ص۷۰۸۔۷۴۹۔

٤٩۔ "قال الفضل بن شاذان وجدت فی مصحف عبد الله بن مسعود تالیف سور القرآن علی هذا الترتیب البقرة النساء آل عمران المص الأنعام المائدة یونس براء ة النحل هود یوسف بنی اسرائیل الأنبیاء المؤمنون الشعراء الصافات الأحزاب القصص النور الأنفال مریم العنکبوت الروم یس الفرقان الحج الرعد سبأ الملیکة إبراهیم ص الذی کفروا القمر الزمر الحوامیم المسبحات حم المؤمن حم الزخرف السجدة الأحقاف الجاثیة الدخان إنا فتحنا الحدید سبح الحشر تنزیل السجدة ق الطلاق الحجرات تبارك الذی بیده الملك التغابن المنافقون الجمعة الحواریون قل أوحی إنا أرسلنا نوحا المجادلة الممتحنة یا أیها النبی لم تحرم الرحمن النجم الذاریات الطور اقتربت الساعة الحاقة إذاوقعت ن و القلم النازعات سأل سائل المدثر المزمل المطففین عبس هل أتی علی الإنسان القیامة المرسلات عم یتساء لون إذا الشمس کورت إذا السماء انفطرت هل أتاك حدیث الغاشیة سبح اسم ربك الأعلی و اللیل إذا یغشی الفجر البروج انشقت اقرأ باسم ربك لا أقسم بهذا البلد والضحی ألم نشرح لك والسماء و الطارق والعادیات أرأیت القارعة لم یکن الذین کفروا من أهل الکتاب الشمس وضحاها والتین ویل لکل همزة الفیل لإیلاف قریش التکاثر إنا أنزلناه والعصر إن الإنسان لفی خسر إذا جاء نصر الله إنا أعطیناك الکوثر قل یا أیها الکفرون لا أعبد ما تعبدون تبت یدا أبی لهب وتب ما أغنی عنه ما له وماکسب قل هو الله أحد الله الصمد." (ابن ندیم محمد بن إسحاق بن محمد الوراق، الفهرست، باب ترتیب القرآن فی مصحف عبد الله بن مسعود، دار المعرفة، بیروت، ۱۹۹۷ء، ص۳۹۔)

٥٠۔ فذلك مائة وعشر سور... وکان عبد الله بن مسعود لا یکتب المعوذتین فی مصحفه ولا فاتحة الکتاب۔ (أیضاً)

٥١۔ "قال محمد بن إسحاق رأیت عدة مصاحف ذکر نساخها أنها مصحف بن مسعود لیس فیها مصحفین متفقین وأکثرها فی رق کثیر النسخ وقد رأیت مصحفا قد کتب منذ مائتی سنة فیه فاتحه الکتاب۔" (أیضاً)

٥٢۔ الإتقان:٢٢٤۔

٥٣۔ ابن أبی داؤد عبد الله بن سلیمان بن الأشعث، کتاب المصاحف، الفاروق الحدیثة، القاهرة، ۲۰۰۲ء، ص۱۰۳

٥٤۔ الفهرست:٤٠۔

٥٥۔ أیضاً۔

٥٦۔ الإتقان:٢٢٣۔

٥٧۔ کتاب المصاحف:١٠٣۔

کتاب نُما

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : زنا کی سنگینی اور اس کے بُرے اثرات

مصنف : پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی

ضخامت : ۳۴۲صفحات قیمت: ۴۰۰روپے

ملنے کا پتہ : (۱) دارالنور اسلام آباد (۲) مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ معروف عالمِ دین، بلند پایہ محقق اور کثیر التصانیف ہیں۔ ان کی تصانیف اردو کے علاوہ عربی، فارسی، انگریزی، بنگالی، انڈونیشی اور فرانسیسی میں ہیں۔

زنا بہت بڑا جرم ہے۔ فاضل مصنف نے اس کی سنگینی کے حوالے سے الہامی مذاہب یہودیت اور نصرانیت میں اس کی شدید مذمت کا ذکر کیا ہے اور اس ضمن میں تورات اور انجیل کی نصوص کے حوالہ جات دیے ہیں۔ گویا یہ ایسا گناہ ہے جسے ہر مذہب وملّت میں انتہائی قابلِ نفرت اور سنگین جرم گردانا گیا ہے۔ توریت اور انجیل میں نہ صرف اس سے روکا گیا ہے بلکہ اس کے شدید اثرات بتائے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں اس جرم میں یہودیت اور عیسائیت میں دنیوی اور اخروی کڑی سزاؤں کا ذکر ہے۔ یہودیت میں زنا کی سزائیں قتل، زندہ جلانا اور رجم ہے، جبکہ عیسائیت میں بھی اس جرم کی یہی سزائیں ہیں۔

اسلامی تعلیمات میں قرآن وسنت کی روشنی میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم کی سزا ہے جبکہ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے سو کوڑوں کی سزا ہے۔ اسلام میں زنا اس قدر بڑا گناہ ہے کہ اس کے قریب جانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ یعنی غیر محرم کے ساتھ نشست وبرخاست، میل جول، بے پردہ ملاقات سے روکا گیا ہے۔ شہوانی جذبہ بہر نوع کنٹرول کرنے کا حکم ہے جس پر بڑے اجر کا وعدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والوں کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

فاضل مصنف نے موضوع کی وضاحت کا حق ادا کر دیا ہے۔ مغربی ممالک میں زنا عام ہے، شادی کے بندھن کی اہمیت نظر انداز کی جا رہی ہے، جس کے اثرات سے مغربی معاشرے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ اسقاط عام ہے، مردوں اور عورتوں میں طرح طرح کی نئی بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔ وہاں ناجائز بچوں کی تعداد میں روز

بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ آبادی کی قلّت کا مسئلہ گھمبیر ہو رہا ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کے نتائج بدظاہر ہو رہے ہیں اور اب مشرق میں اس کو رواج دیا جا رہا ہے' جبکہ اسلامی تعلیمات میں ایسے اقدام سرے سے ممنوع ہیں۔

فاضل مصنف نے موضوع پر روشنی ڈالنے کے لیے بڑے ذخیرہ کتب سے استفادہ کیا ہے جس میں اردو کے علاوہ سو سے زیادہ عربی کتب اور دو درجن انگریزی کتب شامل ہیں۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر انتہائی جامع اور معلومات افزا ہے۔ کتاب مجلّد ہے اور ٹائٹل خوبصورت ہے۔

(۲)

نام کتاب : آدابِ خود آگاہی

مصنف : عتیق الرحمٰن صدیقی

ضخامت : ۲۵۶ صفحات قیمت: ۲۸۰ روپے

ملنے کا پتہ : الخدمت پبلشرز' ا۔ کینال روڈ' تاج باغ' ہربنس پورہ' لاہور

عتیق الرحمٰن صدیقی ایک عالمِ دین' ماہرِ تعلیم اور صاحبِ طرز ادیب ہیں۔ آپ ایک ممتاز علمی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں اور آپ کے والد گرامی حیدر زمان صدیقی مرحوم معروف عالم دین اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ عتیق الرحمٰن صدیقی شعبہ تعلیم سے وابستہ رہے اور بطور پرنسپل ریٹائر ہوئے۔ ان کی تمام عمر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے مشاغل ہی میں بسر ہوئی ہے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں' جن میں پھول پھول خوشبو' خیالوں کی مہک' شوقِ حرم' نقوشِ سیرت' چراغِ مصطفوی اور باغ کے پھول خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی تحریر میں سنجیدگی' احتیاط' دین کے ساتھ لگاؤ' عقیدے کی پختگی اور حُبِّ رسول ﷺ جیسے عناصر نمایاں ہوتے ہیں۔ صدیقی صاحب ماہنامہ میثاق کے مستقل قلمی معاون ہیں اور ان کے مضامین اپنے علمی و عملی موضوعات اور جاندار مواد کے باعث قارئین میثاق کے لیے کشش رکھتے ہیں۔ زیرتبصرہ کتاب ان میں سے منتخب مضامین پر مشتمل ہے۔

مضامین فکر انگیز' نصح و خیرخواہی کے جذبات کے تحت لکھے گئے ہیں جو معلومات افزا اور پُرتاثیر ہیں اور ان میں اسلامی زندگی کے تقاضوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔

چند مضامین کے عنوانات یہ ہیں:

قرآن مجید —— جامع کتاب الٰہی

نبی اکرم ﷺ کی حدیث و سنت

دعوت و تبلیغ

امن و سلامتی کی دائمی دعا

نبی اکرم ﷺ —— سرورِ کونین

محبت الٰہی کا حقیقی معیار

شیطان اور اس کی چالیں

مؤمن اور جذبہ شکر و سپاس

صدق وسچائی —— اخلاقی خوبیوں کی اصل بنیاد۔

کتاب اصلاحِ اخلاق اور متوازن وخوبصورت شخصیت کی تعمیر کے لیے خوب ہے۔ جلد مضبوط اور ٹائٹل خوبصورت ہے۔

(۳)

نام کتاب : دفاعِ امام ابوحنیفہؒ

مؤلف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت : ۳۶۱ صفحات قیمت: درج نہیں

ملنے کا پتہ : (۱) مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (۲) القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

مولانا عبدالقیوم حقانی معروف عالمِ دین، صاحبِ طرز ادیب اور درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی تحریر عام طور پر جامع اور مدلل ہوتی ہے اور موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ باکمال شخصیت تھے۔ فقہ اور قانون اسلامی کی تدوین اُن کا بے مثال کارنامہ ہے۔ فقہی مسائل کے حل میں انہیں خصوصی لیاقت حاصل تھی۔ آپ کے شاگردوں نے بھی اسلامی فقہ کی تحقیق میں ناقابلِ فراموش کارنامے انجام دیے۔ امام ابوحنیفہؒ انتہائی ذہین شخصیت تھے۔ مشکل سے مشکل مسائل جن کے حل سے بڑے بڑے صاحب علم عاجز آجاتے تھے۔ آسانی کے ساتھ حل کردیتے تھے۔ اس کی تفصیل کتاب کے نویں باب میں مذکور ہے۔

علم وعمل، لازوال کارناموں اور بے نظیر خدمات کی وجہ سے امام صاحب نے عوام الناس کے دل میں گھر کر لیا۔ ان کی ہر دلعزیز اور پراثر شخصیت کا چرچا ہوا تو وقت کے حکمران اور امراء اُن کے خلاف ہوگئے۔ اس طرح وہ حاسدین اور مخالفین کے غم وغصہ کا نشانہ بنے۔ امام صاحب کو نیچا دکھانے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے گئے۔ یہاں تک کہ مطلق العنان فرمانروا منصور نے اُن کو کوڑے مارے اور جیل بھیج دیا۔

آج بھی حاسدین کی ایک جماعت امام صاحب کی خدمات سے چشم پوشی کرتے ہوئے ان کے خلاف جھوٹے الزامات لگا کر ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ زیرتبصرہ کتاب میں مستند حوالہ جات کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ امام صاحب صحیح طور پر امام اعظم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم دنیا کے معتدبہ حصے میں امام ابوحنیفہ کی فقہ کے پیروکار ہیں۔

کتاب میں امام ابوحنیفہ کا دفاع تو اپنے انداز میں کیا گیا ہے، مگر جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن اور ڈاکٹر اسرار احمد پر تنقید کرتے ہوئے انصاف کا دامن چھوڑ دیا گیا ہے اور ان کی اتحاد بین المسلمین کی کوشش اور مخلصانہ دینی خدمات سے اغماض برتا گیا ہے۔ تاثر یہ دیا گیا ہے کہ خالص فقہ حنفی ہی فقہ اسلامی ہے اور غیر حنفی لوگ اسلام کی کوئی خدمت نہیں کررہے بلکہ الٹا فتنے اٹھا رہے ہیں۔ فرقہ واریت کو ہوا دینے والا یہ نظریہ ضرور محل نظر اور قابل اصلاح ہے۔ جب تک مسلمان فقہی مسائل میں توسع سے کام نہیں لیں گے اتحاد بین المسلمین کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

(۴)

نام کتاب : اقبال اور امیرِ ملّت

مصنف : محمد صادق قصوری

قیمت: ۲۵۰ روپے

ملنے کا پتہ : محمد صادق قصوری برج کلاں ضلع قصور

محمد صادق قصوری پیر سید جماعت علی شاہ کے گہرے عقیدت مند ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال صوفی منش تھے اور اپنے والد صاحب کے مرید تھے اور سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ انہیں اولیاء اللہ اور باصفا صوفیوں سے بہت محبت تھی۔ جاوید اقبال کی پیدائش پر وہ اپنے عہد کے مطابق اسے امام ربانی مجدد الف ثانی کے مزار پر بھی لے کر گئے تھے۔ علامہ اقبال' اولیاء اللہ اور بزرگوں کے قدردان تھے۔ انہوں نے سید جماعت علی شاہ سے ملاقاتیں بھی کیں اور مستفید بھی ہوئے۔

اقبال کو سید جماعت علی شاہ کے ارادت مندوں سے بھی بڑی محبت تھی' البتہ وہ عجمی تصوف کے خلاف تھے۔ علامہ اقبال نے نظریہ پاکستان پیش کیا تو سید صاحب نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔

کتاب کے اخیر میں ڈاکٹر علامہ اقبال کی سر مہاراج کشن پرشاد المتخلص بہ ''شاد'' سے ملاقات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ وہ ہندو ہونے کے باوجود سید جماعت علی شاہ کا گرویدہ تھا۔ پھر یہاں کئی متنازعہ فیہ باتیں بھی آ گئی ہیں جن میں شاہ صاحب کے حاسدین کا بھی ذکر ہے۔

کتاب کے سرورق پر علامہ اقبال اور سید صاحب کی تصاویر لگائی گئی ہیں۔ علامہ اقبال تو مذہبی پیشوا نہ تھے مگر سید صاحب تو بہت بڑے عالم اور محدث تھے وہ تو لازماً جانتے تھے کہ اسلامی تعلیمات میں تصویر کی مذمت ہے حیرت ہے کہ سید صاحب کے عقیدت مند سے ایسا کیوں ہوا؟

ڈاکٹر رفیع الدین فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم) کی معروف کتاب

قرآن اور علمِ جدید

کا ساتواں ایڈیشن شائع ہو کر منظر عام پر آ گیا ہے

کتاب کا موضوع

''قرآن اور علم جدید'' ڈاکٹر صاحب کی ایک معرکۃ الآراء تصنیف ہے جو درحقیقت علامہ اقبال کی کتاب ''خطبات'' ہی کے سلسلے کی ایک دوسری کامیاب کاوش ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے ناقابل تردید حقائق، دلائل اور مثالوں سے ان تمام فلسفوں اور نظریات کے تار و پود بکھیر دیئے ہیں جن کی بنیاد پر آج تک مختلف ممالک میں نظام ہائے حکومت قائم رہے ہیں۔

☆ عمدہ طباعت ☆ خوبصورت ٹائٹل کور ☆ اعلیٰ جلد بندی

☆ 583 صفحات ☆ قیمت 650 روپے

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم) کی درج ذیل تصانیف بھی دستیاب ہیں:

(1) Ideology of the Future — Price: Rs.500/-

(2) The Quran & Modern Knowledge — Price: Rs.500/-

(قرآن اور علم جدید کا انگریزی ترجمہ)

ہول سیلرز، پبلشرز اور بک سیلرز کے لیے خصوصی تعارفی قیمت

ملنے کا پتہ: ڈاکٹر رفیع الدین فاؤنڈیشن

36-K، ماڈل ٹاؤن، لاہور، فون: 042-35074598

ڈسٹری بیوٹر: پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور، فون: 042-37352795

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Surah An-Nisa

The grouping of Quranic Surahs:

In the name of Allah (SWT) and seeking His help, we begin our study of Surah An-Nisa. It seems appropriate at this point to review the grouping of Quranic surahs. The Quran consists of a hundred and fourteen surahs which have been grouped in two ways.

One mode of grouping is the division of the Quran into seven *Ahzaab* (groups) or *Manaazil* (destinations), so as to facilitate the completion of its recitation in a week. This division dates back to the days of the Prophet (SWS) and his companions (RAA). The *Ahzaab* are not precisely equal in volume, because if that were the case, it would have been imperative to break some surahs. However, there is a very beautiful design in this division. Other than Surah Al-Fatiha which is called *Ummul Kitab* (the root of the Book) and is like a preface to the Quran, the first *Hizb* (group) or *Manzil* (destination) comprises three surahs i.e. Surah Al-Baqarah, Surah Ale Imran, and Surah An-Nisa. The second, third, fourth, fifth and sixth *Ahzaab* consist of five, seven, nine, eleven and thirteen surahs respectively, whereas the last *Hizb* contains sixty five surahs. This appears to be a mathematical division: 3, 5,7,9,11,13, and then 65, a multiple of 13.

Besides this division, there is another grouping of Quranic surahs based on their subject matter. It is a known fact that the Makki and Madani surahs are interspersed in the Quran. We find four Madani surahs i.e. Surah Al-Baqarah, Surah Ale Imran, Surah An-Nisa and Surah Al-Maidah in the beginning of the Quran, which are then followed by two Makki surahs i.e. Surah Al-An'am and Surah Al-A'raf. After that, there are Surah Al-Anfaal and Surah At-Taubah which are Madani surahs, followed by fourteen Makki surahs and one Madani surah i.e. Surah An-Noor. Once again, there are several

Makki surahs and then a single Madani surah i.e. Surah Al-Ahzaab. Yet again, we find a number of Makki surahs, followed by three Madani surahs, Surah Muhammad, Surah Al-Fath and Surah Al-Hujurat. Next come seven Makki surahs, after which there are ten Madani surahs starting from Surah Al-Hadeed and ending with Surah At-Tahreem. The rest of the Quran comprises Makki Surahs except for a few Madani surahs at the end of the Quran. In this way, the Quran can be divided into seven groups, each group containing one or more Makki surahs along with one or more Madani surahs. Every group has its own central theme. While the Makki surahs discuss one aspect of that theme, the Madani surahs take the other aspect into account. The first of these groups comprises a single Makki surah i.e. Surah Al-Fatiha, whose pivotal theme is *Hidayah* (guidance): "O' Allah! Lead us to the right path." This is a supplication to Allah to guide us and not only guide, but also lead us to the right path. Now the four Madani surahs in this group show that right path in the form of do's and don'ts. The main theme of these surahs is the Shari'ah of Muhammad (SWS). They focus on describing the Halal and Haram (permissible and prohibited). As secondary topics, we find the issue of *Da'wah* in these surahs along with a charge sheet against the former Muslim Ummah consisting of the Jews and Christians. They had been the representatives of Allah (SWT) on the earth for two thousand years. *Musa* (Moses) (AS) was given the Torah fourteen hundred years before *'Eesa* (Jesus) (AS), who came six hundred years earlier than Muhammad (SWS). After two thousand long years, that Muslim Ummah was deposed and a new Ummah installed on the basis of the Prophethood and Messengerhood of Muhammad (SWS). It is the greatest blessing of Allah upon us that we are part of that Ummah. It is by His grace alone that we were born as Muslims. However, we need to examine the reasons why that former Ummah was overthrown, and that is what we find in these four surahs in the form of a long charge sheet against them. Nevertheless, after being ousted, they are not necessarily doomed forever. The door of Allah's boundless mercy is still open for them. They can become a part of the Muslim Ummah by believing in Muhammad (SWS) and the Last Book of Allah (SWT). This has been stated in an ayah of Surah Bani Israel which is a Makki surah. Allah (SWT) removed them from their position because of their misdeeds, but He has left the door of regaining that position open for them. They can join the Ummah without any bars of race and color. This is the *Da'wah* (call) of the Quran to them. All they have to do is believe in the Last Prophet of Allah and His Book. The moment they do so, Allah (SWT) will

embrace them with His mercy and they will be as much a part of the Ummah as any other Muslim.

Coming to these four surahs, they are divisible into two pairs of two surahs each. There are certain similarities between Surah Ale Imran and Surah Al-Baqarah. The most apparent of these is the similitude of their openings and conclusions. Both surahs start with *Al-Huroof-ul-Muqatta'at* (the letters which are pronounced separately) الم and end with extremely grand prayers. There are many other similarities, but without going into further details, we commence our study of the next pair of surahs in this group i.e. An-Nisa and Al-Maidah.

Here again, we notice similar beginnings and endings; both surahs start abruptly without any sort of a preface; there are no *Huroof Muqatta'at*, no *Tasbeeh* (glorification of Allah) or *Tahmeed* (praise of Allah). Instead, direct address starts from the very beginning. We shall note other points of similarity between these two surahs while going through the translation *in sha Allah* (if Allah wills so).

Introduction to Surah An-Nisa:

Surah An-Nisa consists of 24 ruku's (sections), and 176 ayaat. The subject of the surah can be divided into two parts: 37 of the ayaat address the former Ummah directly or indirectly by inviting them to embrace Islam or reminding them of their misdeeds, while the remaining 139 ayaat address the Muslims. This part of the surah can again be divided into two parts: A positive address to the true Muslims in the form of guidance towards the right path and ways to reform the society. 55 of these 139 ayaat fit into this category, while the other 84 ayaat carry the negative aspect of address to the Muslim Ummah. It is negative in the sense that it describes the hypocrites, who, by verbally attesting faith, were considered to be Muslims legally. They even used to pray behind Muhammad (SWS) in his mosque. But what they lacked was genuine faith. Therefore, it was imperative that they be exposed so that the Muslims could know the fifth columnists among their society and become aware of their evil designs. These ayahs criticize them as well as exhort them to mend their ways by reminding them of the fact that even though they consider themselves as Muslims, they will not be acknowledged as Muslims on the Day of Judgment. On the contrary, they will be in the lowest abyss of *Jahunnam* (Hellfire). Allah (SWT) despises them even more than the *Kuffar*. A *Kafir* is openly a disbeliever. If he is an enemy, he is an open enemy. If he attacks the Muslims, he does so from the

front. A *Munafiq* i.e. a hypocrite, on the other hand, is a hidden enemy. That is why a sizeable portion of the surah, nearly half of it, deals with the subject of *Nifaq* i.e. hypocrisy. It criticizes the *Munafiqeen* i.e. hypocrites, and cautions the Muslims about the hidden enemy within their own ranks. Nevertheless, as with the former Muslim Ummah, Allah (SWT) is ever ready to embrace them with His mercy and save them from His eternal wrath and punishment of the Hereafter if they attain real faith and mend their ways.

Before we commence our commentary on the surah itself, it seems appropriate to allude to one more preliminary point. These sections are interwoven with each other. The first 43 ayahs contain positive address to the Muslims in the form of do's and don'ts. For instance, there are commandments that refer to women rights, the rights of orphans, and the just distribution of inheritance etc. Then there is an address to the former Muslim Ummah, followed by an address to the *Munafiqeen*. However, this address to the *Munafiqeen* is not explicitly directed towards them. As a matter of fact, they have not been addressed directly anywhere in the Quran. This is so because legally they are also Muslims. They are also addressed as those who believe, but between the lines, the Quran addresses them as those who profess to believe but lack actual belief. One has to ponder over the subject of the ayah to know whether its addressees are the real *Momineen* i.e. believers, or the *Munafiqeen*.

Translation and brief elucidation of Surah An-Nisa:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾

(1) "O people, keep your duty to your Lord, Who created you from a single being and created its mate of the same (kind), and spread from these two many men and women. And keep your duty to Allah, by Whom you demand one another (your rights), and (to) the ties of relationship. Surely Allah is ever a Watcher over you".

O mankind! Have Taqwa of your Lord, your Master, your *Rab*. It is very difficult, indeed impossible, to translate the word *Taqwa*. It is usually translated as fear of Allah, but to say the least, it is not appropriate. The word for fear in Arabic, which has been used at many places in the Quran, is *Khauf*. The word *Taqwa* comes from the root word *Waqa*, which means to save someone from certain harm, while *Ittiqa*, the word used in the ayah, means to save oneself. Hence, *Taqwa* means saving oneself from moral decay, from the displeasure of Allah

(SWT), from Hellfire. This is why some modern translators explain it as having regard for Allah or being mindful of Him. This, in my opinion, is a better translation. It can also be translated as remaining dutiful towards your Lord, or keeping your moral sense alive. Therefore, I will use different words for *Taqwa* at different places.

O'mankind! Have regard for your Lord Who created you out of one living being. It is worth noting that the word used here is not *Bashar* (human being) or *Rajul* (man), but *Nafs* (life or soul). *Nafs* refers to a living organism.

And He created out of that (living being) its mate. According to modern biological and geological theories, life started on the earth in its primitive form i.e. a unicellular organism that had no sex. The procreation was by the division of that cell into two, which further divided into four, and so on. Later on, sexes appeared, but both sexes used to be in the same organism. Afterwards, at a later stage of evolution, the two sexes separated. It was at that point that Adam and Eve came into being. Another ayah of the Quran that discusses the same theme is ayah 13 of Surah Al-Hujurat which states that humans were created out of one man and one woman i.e. Adam and Eve. But here the word *Nafs* has been used.

And from these two i.e. from this pair*, He spread a lot of men and women* in this earth. Today the progeny of Adam (AS) and *Hawwa* (Eve) (AS) counts to be more than six billion.

And be mindful of Allah. It is significant to note here that this *Taqwa* is so important that it has been emphasized twice in the same ayah. You have to keep Allah in your mind at all times.

In the name of Whom you ask (each other). When a beggar asks for alms, he asks in the name of Allah. Similarly, when a person apologizes to another, he asks for forgiveness in the name of Allah. So when you provoke the name of Allah while asking for favors from one another, you must also be dutiful to Him and keep Him in your mind at all moments.

And the (relationships related to) wombs. You must respect the relationships related to the womb of your mother. Brothers and sisters have their mother's womb in common. Similarly, cousins are related through the wombs of their grandmothers. Infact, the whole of mankind comes within the folds of a universal brotherhood as they all have the womb of their mother *Hawwa* (Eve) (AS) in common. As mentioned earlier, the reformation of the society is the main subject of

the first 43 ayaat of this surah, and the basic unit of a society is a family. The West today is concerned that the institution of family has weakened so much in their societies that it is on the verge of collapse. A former President of the USA, Bill Clinton, expressed fears that in the near future, a vast majority of the American nation would consist of illegal children, born out of any wedlock. Islam lays great stress on the strengthening of the institution of family, because it is as fundamental to a society as a brick to a wall. Now what joins the members of a certain family is a womb. Therefore, the Quran emphasizes the rights of relations due to wombs to such an extent that in this ayah, regard for these relationships has been mentioned along with regard for Allah (SWT). It is also worth mentioning here that women, who have always been degraded and exploited by different societies, have been exalted by Islam, so much so that the wombs of mothers have been mentioned right after Allah (SWT).

Verily Allah (SWT) is watchful over you. He is witnessing every deed of yours.

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝

(2) *"And give to the orphans their property, and substitute not worthless (things) for (their) good (ones), and devour not their property (adding) to your own property. This is surely a great sin".*

While the first ayah accentuates the rights of one generally maltreated section of the society i.e. women, the second ayah emphasizes the responsibilities of the society towards another commonly oppressed segment of the society, the orphans.

Hand over to the orphans their properties and belongings. The kids left by a deceased who are too young to look after their affairs have to be taken care of by their uncles. These guardians of orphans are being advised here to hand over the belongings of these orphans to them and abstain from eating their wealth up and depriving them of it.

And substitute not worthless (things) for (their) good (ones), and devour not their property (adding) to your own property. This is surely a great sin. It is very easy for a guardian to be dishonest and replace the valuable belongings of the orphans in their custody with worthless ones in his own possession. For instance, a person had left behind ten camels when he died. The guardian confiscates these camels and hands over ten feeble or diseased camels of his own to the orphan. The custodians are being warned here not to misuse their authority and eat up the property of the orphans under their responsibility by

mixing it with their own property. The orphans' property is to be kept discreet from the guardians' property. The devouring of orphans' property is a great crime in the eyes of Allah (SWT).

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَـكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ‌ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ؕ ذٰلِكَ اَدۡنٰٓى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا‌ؕ

(3) "And if you fear that you shall not be able to deal justly with the orphan-girls, then marry (other) women of your choice, two or three, or four. But if you fear that you shall not be able to deal justly (with them), then only one or (the captives and the slaves) that your right hands possess. That is nearer to prevent you from doing injustice".

Some so-called scholars who do not consider the Hadith or Sunnah of the Prophet (SWS) to be an authority have misinterpreted this ayah. We get to know the actual meaning of the ayah from a Hadith narrated by Ayesha (RA) and as we go forward, we shall, if Allah wills, see that the same explanation has been given by the Quran itself in ayah 127 of this very surah. The background of this ayah is that if somebody had minor orphan girls under his guardianship and her parents had left behind valuable property, the guardian used to marry her without giving any dower, in order to devour her property, since she did not have any father or elder brothers to protect her rights. In this way, people used to oppress orphan girls and deprive them of their assets. In this context, Allah (SWT) says that if you are afraid that you would not be able to do justice with the orphan girls, do not marry them; marry other women you like instead.

Then marry (other) women of your choice, two or three, or four. But if you fear that you shall not be able to deal justly (with them), then only one. The Shari'ah of Allah (SWT) allows a man to have two wives at a time or three or even four, but not more than that. However, this permission of marrying more than one woman is not unconditional. If a man thinks that he may not be able to do justice among his wives if he marries more than one, he should have only one wife, because it is absolutely mandatory to do justice in all calculable and measurable things. The time that one spends with one wife must be equivalent to the time one spends with the other. The money that one gives for household management to one wife has to be equal to the money one gives to the other. Anything that can be counted or measured, for instance dresses, dwellings etc. must be absolutely equal. However, there is one exception to this condition of equality. The heart of a man may be inclined more towards one wife of his than others, and since this is something beyond his control, there is no accountability for this

weakness. This fact has been elucidated in subsequent ayahs of this surah which we shall study if Allah wills so.

Or (the captives and the slaves) that your right hands possess. In addition to wives, it has been made lawful by Allah (SWT) to have slave girls. They are not counted among wives.

That is nearer to prevent you from doing injustice. If a man marries only one woman, he is likelier to be saved from any injustice. So it is safer to have just one wife, as it means being accountable for her alone. But in certain circumstances, a person may need more than one wife and he is allowed to do so provided that he fulfills the rights of all his wives without giving preference to any of them.

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝

(4) "And give women their dowers as a free gift. But if they of themselves be pleased to give you a portion thereof, consume it with enjoyment and pleasure".

This ayah mentions what we call *'Mahr'*. The word *Saduqaat* is the plural of *Sudaaq* which means the bridal money that a husband gifts to the bride. A very similar word is *Sadaqah*, the plural of which is *Sadaqaat* and means alms or charity. It is obligatory upon a man to give his wife a certain amount of wealth at the time of marriage. This should be done with an open heart and with pleasure. It should not be considered a fine; it is a present that a man hands over to his would-be wife.

But if they of themselves be pleased to give you a portion thereof, consume it with enjoyment and pleasure. For instance, if a husband had promised ten thousand dollars as *Mahr* and his wife volunteers to relinquish two thousand dollars out of them, there is absolutely no problem in using that money; the husband can consume this wealth without any worries.

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

(5) "And make not over your property, which Allah has made a (means of) support for you, to the weak of understanding, and maintain them out of it, and clothe them and speak to them words of kindness and justice".

If an orphan is mentally retarded and his father has left a lot of wealth for him, handing over this property to him is tantamount to wasting it, because he does not have the understanding and maturity of thinking required to handle financial matters. During the British rule in India, there used to be a court of ward. The property inherited by minors was not left at their own disposal. The government would

manage for them and they were only allowed an annual expenditure out of the income obtained through that property. It is essential to have this kind of a system in the society. Every society can have people who do not know their good and bad, and if they are handed over the wealth that Allah (SWT) has made a means of living in this world, they will end up wasting it and the community as a whole will suffer a loss. However, as the property belongs to them, they have to be taken care of and their needs have to be fulfilled using their wealth. It is the responsibility of the guardians to feed and clothe them properly and be kind to them. They should not treat them harshly and should take care of them.

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

(6) "And test the orphans until they reach the age of marriage. Then if you find in them maturity of intellect, make over to them their property, and consume it not extravagantly and hastily against their growing up. And whoever is rich, let him abstain, and whoever is poor let him consume reasonably. And when you make over their property to them, call witnesses in their presence. And Allah is enough as a Reckoner".

When the orphans reach the age of puberty, it should be observed whether they have attained the understanding of their good and bad. If it is so, they should be handed over the property left by their fathers. The guardian does not have the right to keep it under his custody anymore.

A*nd consume it not extravagantly and hastily against their growing up*. Among the social evils of the Arab society before Islam was that the guardians of orphans used to spend their wealth extravagantly, fearing that they might grow up and become able to carry out their financial matters, upon which their hold on the property would end. Now that the Muslims were building a society of their own, Allah (SWT) ordered them to refrain from such evil practices. The Quran reformed the society and the state from all aspects. The importance of these societal instructions can be judged from the fact that they have been cited repeatedly and in great detail. No injustice should be done to any section of the society, specially the weaker ones like women and orphans.

And whoever is rich, let him abstain, and whoever is poor let him consume reasonably. If the guardian of an orphan is rich and self-sufficient, he should abstain from taking anything out of the orphan's property.

Conversely, in case the guardian is poor and is devoting his time to looking after the property of the orphan under his custody, he is allowed to use some of the wealth to fulfill his needs. However, this should be done in a reasonable manner and the guardian should take only as much as is necessary for him. All this should be done fairly and with noble intentions.

And when you make over their property to them, call witnesses in their presence. Witnesses should be called while handing over the orphans' belongings to them, lest they should claim afterwards not having received them. These are practical problems that arise in a society, and that is why they have been discussed in such detail in Allah's Book.

And Allah is enough as a Reckoner. He knows everything and everyone will be answerable to Him on the Day of Judgment. He will take account of whether you had been just in your treatment of the orphans under you or not.

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُونَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝

(7) "For men is a share of what the parents and the near relatives leave, and for women a share of what the parents and the near relatives leave whether it be little or much -- an appointed share".

This is a preamble for the law of inheritance which will be discussed in detail in the second section. Men and women both have a certain share in the wealth left by their parents and near relatives. This is a huge social reform made by Islam. Before Islam, there was no share for women in inheritance. Even today in some societies like the Hindu society, women do not have any share in inheritance. Mostly, the eldest son is the only inheritor of a deceased person. The property is not divided and distributed so that the holding remains large. This is a norm in many societies even in the so-called modern and civilized world. In stark contrast to these practices, the Quran asserts that the property left by a person, be it small or large, is to be divided according to the Divine law. How much each successor gets has been ordained by Allah (SWT). This is not a human law that can be amended; it has been decreed by Allah (SWT).

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝

(8) "And when relatives and the orphans and the needy are present at the division, give them out of it and speak to them kind words".

If relatives of the deceased who are not his inheritors or orphans and other deprived people are present at the time of the division of

inheritance, they should also be given something out of the property and should be talked to in a very gentle way.

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝

(9) "And let those fear who, should they leave behind them weakly off-spring, would fear on their account; so let them observe their duty to Allah and let them speak right words".

Those who are dividing the property left by the deceased among themselves should bear in mind that had they been in place of the deceased and had left behind minor sons or daughters, they would have had several apprehensions about the future of those kids. They would have been concerned about who would look after, support and protect them. Therefore, now that orphans, who are also the sons and daughters of someone who has died, are present at the time of distribution of wealth, the inheritors should treat them kindly and generously, so that if the same time comes for their kids, people deal with them in a compassionate way as well. They should give them some of their wealth, talk to them kindly, and have regard for Allah (SWT).

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝

(10) "Those who swallow the property of the orphans unjustly, they swallow only fire into their bellies. And they will burn in blazing fire".

Those who devour the property of an orphan should not think that they are eating up wealth. As a matter of fact, they are filling their bellies with Hellfire which is going to actualize on the Day of Judgment.

* * *

Quarterly
Apr-Jun 2013

HIKMAT-E-QURAN

Lahore
Vol.32 No.2

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ـــــ اور ـــــ سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ـــــ اور ـــــ اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمت مسلمہ کے قدیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک پیدا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ـــ اور ـــ غلبۂ دینِ حق کے دور ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ